Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)
Volume 1 Issue 2, Fall, 2021
Homepage: https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift

اسبابِ بغاوتِ ہند، نسخہ برٹش لائبریری لندن کے متن کی تدوین

Article: Causes of The Indian Revolt, Critical Edition of the Manuscript Held in British Library London

Author(s): Hafiz Safwan Muhammad Chohan

Affiliation: Manager Admn, PTCL Taring Center, Multan Pakistan

Article History:
Received: July 13, 2021
Revised: August 20, 2021
Accepted: October 25, 2021
Available Online: December 21, 2021

Citation: Chohan, Hafiz Safwan Muhammad. "Causes of the Indian revolt, critical edition of the manuscript held in British Library London." *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 2, no.2 (2021): 53−77.

Journal QR

Article QR

Safwan Muhammad

Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Science and Humanities, University of Management and Technology, Lahore, Pakistan

اسبابِ بغاوتِ ہند، نسخۂ برٹش لائبریری لندن کے متن کی تدوین

Causes of The Indian Revolt, Critical Edition of the Manuscript Held in British Library London

Hafiz Safwan Muhammad Chohan

Manager Admn, PTCL Taring Center, Multan Pakistan

Abstract

Sir Syed's an Essay on "The Causes of the Indian Revolt" did lose its very raison d'etre just before it went into press because the British Crown had taken the government of India in her own hands from the East India Company (EIC). The pamphlet chiefly concerns itself with the rule of EIC in Hindustan, and this was rolled back before it got published. It has not, however, gone unnoticed eversince for carrying many significant features and is very often referred to in historical as well as literary discussions. Author of this article got its facsimile copy from British Library London, edited its text, prepared critical edition and published it with as many as 26 annexures that are vital for understanding this text and the worldview of the Revolt of 1857. By going deep into the lexis, the author posits that only this pamphlet is not sufficient for understanding Sir Syed's actual stance since he wrote it in Urdu, and that too, only for the concerned officers of the then government. Sir Syed managed to get this pamphlet rendered into English after 15 years which, as the author holds, is necessary for this understanding. Since the original text of this pamphlet was never available to researchers, all previous compilations are therefore based on the copy that was produced by the scribe who worked on the 1st edition of Hayat -e- Javed (1901). This compilation, ie, edition 2021, thus provides the most authentic text of this revered pamphlet of the colonial India.

Keywords: Indian Revolt 1857, text, martial race, Bengal lancers, christianization, Fasting

۱. تمہید

سرسید احمد خاں کا رسالہ اسبابِ سرکشیِ ہندوستان کا جوابْ مضمون جو اسبابِ بغاوتِ ہند کے نام سے معروف ہے، کے متن کی تدوین اِس لیے ضروری محسوس ہوئی کہ اِس کا درست متن کہیں دستیاب نہیں ہے۔ بہت ڈھنڈیا کے بعد اِس کا واحد موجود نسخہ برٹش لائبریری لندن کے نادر دستاویزات (India Office Records and Private Papers) میں ایشیا — بحرالکاہل — افریقہ سیکشن (Asia-Pacific-Africa Collection - APAC) میں ملا۔ اِس کے متن کو درست کر کے اِس کے اصل عکس کے ساتھ اِس کا محقَّق ایڈیشن ۲۰۲۱ء میں شائع کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ اِسی کام کا تعارف ہے۔ یہ بات عام معلوم ہے کہ سرسید نے اسبابِ بغاوتِ ہند کی ۵۰۰ جلدیں چھپوائیں اور ایک جلد گورنمنٹ آف انڈیا کو یعنی گورنمنٹ ہاؤس (راج بھون) کلکتہ بھیجی جو اُس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل کا مستقر تھا، اور اپنے پاس چند جلدیں رکھ کر باقی تمام کو ایک پارسل میں افسرانِ پارلیمان کو لندن بھجوا دیا۔ اپنے پاس رکھی جلدیں اُنھوں نے اِس لیے روک لیں (/ ضائع کر دیں؟) کہ اُن کے خلاف محکمانہ کارروائی کی باتیں چل پڑی تھیں۔ برٹش لائبریری والے متذکرۂ بالا نسخے کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ وہی ہے جو کلکتہ بھیجا گیا تھا اور گورنر جنرل کے سرکاری کاغذات کے ساتھ یہاں پہنچا یا برطانیہ بھیجے گئے نسخوں میں سے کوئی ایک ہے جو کسی افسرِ پارلیمان نے لائبریری کو دیا ہے، البتہ محسن الملک سید مہدی علی کے نام ایک خط (حیاتِ جاوید: ۳۷۸) میں سرسید نے لکھا ہے کہ اپنے دورۂ لندن میں اُنھوں

نے انڈیا آفس میں اِسے دیکھا اور خوش ہوئے۔ ہندوستان میں یہ رسالہ بالکل عنقا ہو گیا اور پہلی بار خواجہ الطاف حسین حالی کی حیاتِ جاوید کے پہلے ایڈیشن (۱۹۰۱ء) میں بطورِ ضمیمہ شامل ہو کر سامنے آیا۔ بایں وجہ اِس کی اب تک تمام معلوم اشاعتوں (اب تک کی آخری اشاعت: اوکسفرڈ: ۲۰۱۷ء) کا براہِ راست یا بالواسطہ متنِ اساسی حیاتِ جاوید کا پہلا ایڈیشن ہی ہے، یا اِس کی بنیاد پر تیار کردہ کوئی اور متن۔ چنانچہ حالی کے کاتب سے جو بھول چوک ہوئی، بعد کی اشاعتوں میں یہ سب کچھ لامحالہ موجود ہے۔

اب تک شائع شدہ آخری متن کا تقابل اگر حالی والے نسخے سے کر لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی۔ حالی کے کاتب نے رسالے کی جس جلد سے دیکھ کر کتابت کی اُس کا بھی کچھ پتہ نہیں چلا کہ کدھر گیا۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کے برٹش لائبریری والے نسخے میں ٹائپ کی بعض اغلاط ہیں جن کو Z کی اور G کی نبوں والے ہولڈروں سے درست کیا گیا ہے، اور اِس بات پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ اغلاط سرسید نے خود درست کی ہیں۔ تقابل سے معلوم ہوا کہ حالی کے کاتب نے جس نسخے سے دیکھ کر کتابت کی تھی اُس میں یہ اغلاط درست نہیں کی گئی تھیں۔ چنانچہ اسبابِ بغاوتِ ہند کی موجودہ پیشکش یعنی راقم کا ترتیب دادہ متن، سرسید کے خود درست کردہ متن پر بنیاد کرتی ہے۔ یہاں سے آگے اِس تحریر میں اسبابِ بغاوتِ ہند کے برٹش لائبریری کے انڈیا آفس ریکارڈز والے نسخے کو نسخۂ لندن، حالی والے کو نسخۂ حالی، سلیم الدین قریشی والے کو نسخۂ قریشی، اوکسفرڈ والے کو نسخۂ اوکسفرڈ اور موجودہ ایڈیشن کو نسخۂ صفوان لکھا جائے گا۔ اِسی طرح دو انگریزی تراجم کا حوالہ بھی کچھ بار آئے گا جن میں سے لفٹننٹ کرنل گراہم (George Farquhar Irving Graham) اور سر آکلینڈ کالوِن (Auckland Colvin) والے انگریزی ترجمے یعنی The Causes of the Indian Revolt کو نسخۂ گراہم، اور کولمبیا یونیورسٹی کی ویب سائٹ (www.columbia.edu) پر رکھے نسخۂ گراہم کے فرانسس پریچٹ (Frances W. Pritchett) کے درست کردہ انگریزی متن کو نسخۂ پریچٹ لکھا جائے گا۔

نسخۂ گراہم کا مناسب تعارف آگے آ رہا ہے۔ واضح رہے کہ نسخۂ گراہم کے علاوہ بھی اسبابِ بغاوتِ ہند کے کئی انگریزی تراجم موجود ہیں جن کی تفصیلات عام مل جاتی ہیں، تاہم یہاں صرف اِسی کو اِس لیے ذکر کیا گیا کہ یہ سرسید نے خود کرایا تھا جب وہ لندن کا سفر کر کے آ چکے تھے اور اُن کے تجربات میں بہت اضافہ ہو چکا تھا۔ نسخۂ گراہم کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر حفیظ ملک کی Political Profile of Sir Sayyid Ahmad Khan: A Documentary Record سرسید کے کاموں سے متعلق وہ بنیادی کتاب ہے جس سے اعتنا کیے بغیر اسبابِ بغاوتِ ہند کی تفہیم میں کئی خلا رہ جاتے ہیں۔ نیز یہ اعتراف ضروری ہے کہ بعض متنی تسامحات کے باوجود نسخۂ قریشی اب سے پہلے شائع ہونے والے تمام نسخوں میں متن کے اعتبار سے درست تر ہے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ سرسید نے اِس رسالے کا نام اسبابِ سرکشیِ ہندوستان کا جوابْ مضمون رکھا تھا۔ حالی نے حیاتِ جاوید کی فہرستِ مشمولات میں اور اِس پر جگہ جگہ گفتگو کرتے ہوئے اِس کا نام مختصر کر کے اسبابِ بغاوتِ ہند کر دیا اور کہیں مزید مختصر کر کے صرف اسبابِ بغاوت، البتہ ضمیموں میں جہاں سے رسالے کا متن شروع ہوتا ہے وہاں شہ سرخی میں رسالۂ اسبابِ بغاوتِ ہندوستان لکھا ہے۔ بہر حال اب یہ رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند ہی کے نام سے معروف ہے۔ نسخۂ لندن کے سرورق کی عبارت ملاحظہ ہو: اسبابِ سرکشیِ ہندوستان کا جوابِ مضمون/تالیف/سید احمد خاں صدر الصدور مرادآباد۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کا نسخۂ لندن کتابت کے بجائے ٹائپ کے حروف جوڑ کر لیٹر پریس پرنٹنگ یعنی ٹریڈل پر چھپا یہ رسالہ ۵۳ صفحات پر مشتمل ہے جس میں اردو-انگریزی دو زبانی ٹائٹل، اِس کے بعد دو صفحات میں انگریزی میں لکھا Preface، اِس کے بعد چار صفحات میں انگریزی میں Index to Contents، اور اِس کے بعد چھیالیس صفحات میں اردو متن جس کے ساتھ چلتے بغلی کالم میں ذیلی سرخیاں جو اردو اور

انگریزی میں ہیں۔ متن کے چھیالیس صفحات کے نمبرات ۱تا۴۶ پچھلی نمبر نگ سیریز سے الگ ہیں۔ متن کا مواد ۳۰ سطریں فی صفحہ ہے جب کہ فانٹ سائز متن میں ۱۲ اور بغلی کالم میں ۱۰ ہے۔Preface کے پہلے اور Index to Contents کے پہلے اور تیسرے صفحے کے نچلی جانب درمیان میں برٹش میوزیم کی سبز رنگ کی مہر بغیر تاریخ کے لگی ہے؛ سبز رنگ کی مہر ٹائپ ۳ کی مہر ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ مواد سنہ ۱۹۴۴ء سے موجود ہے جو بطور عطیہ یا تبادلے میں ملا ہے۔ الیکٹرانک کیٹلاگنگ کی مزید تفصیل یہ ہے:

Title: An Essay on the Causes of the Indian Revolt. *Hindustani*.

Author: Sayyid Aḥmad K̲h̲ān, Sir, 1817-1898.

Publication Details: Agra: J.A. Gibbons, Mofussilite Pres 1859.

Language: English

Identifier: System Number: 00032685

Physical Description: (8 º)

Shelfmark(s): General Reference Collection 8220.bb.13. (19)

UIN: BLL 0100032685

جن دو ضمیموں کا ذکر سرسید نے متن میں کیا ہے وہ نہ رسالے کے ساتھ موجود ہیں اور نہ اِس Tracts میں رکھے ہیں۔ متن کا صفحہ نمبر ۴۶ رسالے کا آخری صفحہ ہے جس کے بعد کچھ بھی نہیں ہے یعنی کوئی ترقیمہ (Colophon) بھی نہیں ہے، اور یہ معلوم کرنے کی اب کوئی سبیل موجود نہیں ہے کہ سرسید نے یہ دونوں ضمیمے کمپوزیٹر سے کمپوز کرواکے لگائے تھے یا اصل کاغذ ساتھ نتھی کیے تھے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ "... اشتہار آخر کتاب میں مندرج ہے وہاں دیکھو" [۱] لیکن رسالے کی جلد درست ہے اور اِس میں سے کچھ نکالا گیا معلوم نہیں ہو رہا۔ اِسی طرح حالی نے لکھا ہے کہ "چٹھی پادری ای ایڈمنڈ جس کا ذکر سرسید نے اِس رسالہ میں کیا ہے" اور "نقل اشتہار گورنمنٹ بنگال جس کا ذکر سرسید کے رسالہ میں ہوا ہے"، یعنی دونوں عبارتیں ظاہر اً بتا رہی ہیں کہ حالی نے یہ دونوں فرامین خود سے شامل کیے ہیں کیونکہ اِن کا ذکر سرسید نے کیا ہے، (اور "اعلانِ وکٹوریہ" اِس لیے شامل نہیں کیا کہ یہ شاید اُس وقت مہیا نہ ہوا ہوگا)۔ البتہ نسخۂ گراہم میں ای ایڈمنڈ (E. Edmond) کا خط (انگریزی) اور لفٹننٹ گورنر بنگال کا اشتہار (انگریزی) شامل ہے۔ آخر الذکر کو حالی نے فارسی میں فراہم کیا ہے۔

گراہم اور کالوِن نے تو ملکہ وکٹوریہ کے فرمان کے شکرانے میں سرسید کی مرادآباد والی مناجات کا واقعہ بھی لکھ دیا ہے، جو ازاں بعد حالی نے حیاتِ جاوید میں شامل کیا۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کے سرورق پر اِس کا سالِ اشاعت ۱۸۵۹ء لکھا ہے تاہم اِس کے متن میں داخلی شہادتوں کے ساتھ ساتھ بعض بیرونی شہادتیں بھی اِس امر پر دال ہیں کہ یہ ۱۸۵۸ء ہی میں شائع ہو چکا تھا۔ داخلی شہادتوں کا ذکر آگے آئے گا تاہم بیرونی شہادتیں یہ ہیں کہ نہ صرف حالی نے اِس کا سالِ اشاعت ۱۸۵۸ء لکھا ہے بلکہ نسخۂ گراہم کے ٹائٹل پر بھی یہی لکھا ہے اور اِس کے ابتدایئے میں سرسید نے بھی یہی بتایا ہے۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کے بارے میں عمومی معلوماتی تاثر کو درست کرنا پہلی ضرورت ہے۔ جاننا چاہیے کہ یہ رسالہ ذمہ دار منصب پر فائز ایسٹ انڈیا کمپنی کی جیوڈیشل سروس کے ایک سرکاری ملازم نے گورنمنٹ میں اپنے افسرانِ بالا اور پارلیمنٹ کی اطلاع کے لیے لکھا تھا نہ کہ عوام کے لیے یا ادیبوں شاعروں کے لیے، اور اِسے اپنے انگریز دوستوں کرنل گراہم اور سر آکلینڈ کالوِن سے انگریزی میں ترجمہ کرایا۔ یہ رسالہ لکھنے کا مقصد ہی یہ تھا

---

۱ سید احمد خاں، سر، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۱ء) ۱۲۱۔

کہ تاجِ برطانیہ کے ہندوستان میں تعینات بااختیار حکام فلاکت زدہ ہندوستانیوں پر بے جا سختی نہ کریں (یعنی "اعلانِ وکٹوریہ" اُس کی صحیح روح کے ساتھ نافذ کریں)، چنانچہ اِسے لکھا بھی انتہائی نپی تلی اور دفتری لفظیات میں اور اِس انداز سے گیا ہے کہ یہ فوراً ترجمہ ہو سکے۔ واضح رہے کہ یہ رسالہ اگر باقاعدہ کتاب ہوتا تو سرسید اِسے چھپوانے کے بعد اِس کی اشاعت کا بندوبست ویسے ہی کرتے جیسا تاریخِ سرکشیِ بجنور (۱۸۵۸ء) اور اپنی دیگر کتب کے لیے کرتے رہے۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جہاں اِس پورے متن میں ایک بھی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا گیا جو آداب و قواعدِ دفتری کے خلاف ہو وہاں یہ بات یقیناً حیرت سے سنی جائے گی کہ سرسید نے اردو میں اُتنا ہی لکھا ہے جو اردو دنیا ہضم کر سکے۔

متذکرۂ بالا نسخۂ گراہم اُن باریک تفصیلات اور نواحی معلومات کا جامع ہے جو سرسید نے، بوجوہ، نسخۂ لندن میں نہ لکھی تھیں۔ نیز اِس متن کو پورے طور سے سمجھنے کے لیے جہاں تاریخی شعور اور انیسویں صدی کے آغاز سے لے کر ۱۸۵۷ء تک کے سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی تناظرات کا درست فہم ضروری ہے وہیں اُس دور کی دفتری انگریزی اور امورِ دفتری کو جاننا بھی ضروری ہے۔ راقم کو یہ بات بھی متذکرۂ بالا نسخۂ گراہم پڑھنے سے معلوم ہوئی۔ اِس انگریزی متن کی ضرورت کے پیشِ نظر اِس کا عکس بھی نسخۂ صفوان کے Appendix-J میں شامل کیا گیا ہے تاکہ تقابلی مطالعے کے شائق سنجیدہ قاری کو اِس اہم لیکن کمیاب کتاب کی تلاش میں سرگرداں نہ ہونا پڑے۔

سرسید نے رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند لکھ تو دیا لیکن اِسے چھپاتے رہے یہاں تک کہ بعدِ اشاعت اُن کی زندگی کے چالیس سال میں ہندوستان میں یہ دوبارہ کہیں نظر نہ آیا، حتیٰ کہ مسافرانِ لندن تک میں اِس کا ذکر نہیں ہے حالانکہ سرکار کی ناپسندیدگی کا خرخشہ بھی جاتا رہا تھا۔ تاہم اِس موضوع پر اُن کا لکھنا لکھانا جاری رہا اور اُن کے خیالات میں تبدیلی بھی آتی رہی۔ اِسے چھپانے کی جو وجہ حالی نے بتائی ہے وہ ضرور درست ہوگی کیونکہ یہ معاصر شہادت ہے، نیز یہ بھی درست ہے کہ اِس رسالے کی ضرورت اِس کی اشاعت سے پہلے ہی ختم ہو گئی تھی کیونکہ اِس میں سارا رونا دھونا ایسٹ انڈیا کمپنی کی بدانتظامی اور بداندیشی کا ہے اور کمپنی کی حکومت اِس کی اشاعت ہوتے ہوتے ہی لپیٹ دی گئی تھی، لیکن جب راقم نے اِس کا متن پڑھا تو کوئی ایسی بات نظر نہ پڑی جس پر گرفت کی جا سکے، وجہ یہ کہ اسبابِ سرکشیِ ہندوستان کے موضوع پر تو حکومت خود لکھوا رہی تھی اور کئی لوگوں نے یہ اسباب لکھے اور شائع کرائے تھے۔ متن پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں سرسید بات کہتے کہتے رکتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ یہ "اصلِ دوم" کا آخری منطقہ ہے جہاں پنجاب کے دیوانی عدالت کے نظام پر تقابلی و تنقیدی گفتگو ہے۔ پنجاب دہلی کے بادشاہ کے زیرِ نگیں نہ تھا بلکہ ایک الگ ملک تھا جہاں رنجیت سنگھ کی حکومت تھی اور جسے انگریز نے ۱۸۴۹ء میں فتح کیا تھا۔

چنانچہ مغل بادشاہی میں دہلی والوں کو پنجاب سے مسئلہ نہ تھا البتہ دہلی اور اُس کے نواحی علاقوں کو سنہ ۱۸۵۸ء میں شمال مغربی صوبوں سے الگ کر کے پنجاب میں شامل کرنے کے بعد لارنس (John Lawrence) کو یکم جنوری ۱۸۵۹ء کو لفٹننٹ گورنر پنجاب لگایا گیا اور یہاں کی ساری انتظامیہ بھی پنجاب میں شامل ہو گئی تو ملازمین کو یقیناً مسائل پیدا ہوئے۔ یہ رسالہ لکھنے کے دنوں میں سرسید پنجاب میں نہیں بلکہ اتر پردیش میں تعینات تھے اور مرادآباد دہلی سے کوئی پونے دو سو کلومیٹر دور ہے، لیکن چونکہ نئی راجدھانی (دہلی) پنجاب میں شامل ہو گئی تھی اِس لیے وہ بالکل نئے بندوبست اور اُس کے انتظامی، دیوانی و عدالتی امور کے بارے میں اُس طرح کی معلومات افزا باتیں نہ کر سکے ہوں گے جیسا کہ اِس رسالے سے محض چند ماہ قبل لکھی تاریخِ سرکشیِ بجنور میں کر رہے تھے۔ تاہم وہ یہ خدشہ ضرور ظاہر کر گئے ہیں کہ مقدماتِ دیوانی کے ضمن میں حکامِ عدالت کے

اختیارات میں جو آزادیاں اور استقام ہیں وہ آئندہ پچاس سال میں پنجاب کا زمیندارہ اور معاشرت خراب و برباد کر دیں گے ۲، اور یہ ہو کر رہا اور پنجاب تقسیم بھی ہو گیا۔

واضح رہے کہ راقم کے نزدیک تاریخِ سرکشیِ بجنور کی حیثیت اسبابِ بغاوتِ ہند کے ذیلی باب کی نہیں بلکہ تفصیلی دیباچے کی ہے۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کا ذکر نہ کرنے کی وجہ پنجاب کے عدالتی نظام پر تنقید والی اِس بات کو متن کی آخری ذیلی سرخی "پنجاب میں سرکشی نہ ہونے کے اسباب" سے بھی تقویت ہوتی ہے؛ یہ بات سر سید نے کسی تنقید کے بغیر مختصر الفاظ میں سمیٹ دی ہے۔ اِس کی تائید مزید کے لیے Index to Contents کے چوتھے حصے کا نمبر شمار ۳ ملاحظہ ہو: "The ill temper and uncourtly address of local authorities towards the natives" جو اِس طرف اشارہ کرتا ہے۔ نیز سر سید جب یہ کہتے ہیں کہ مسلمان (یعنی وہ خود بھی) مقامی ہندوستانی نہیں بلکہ باہر سے آئے ہیں۔ ۳

تو اُس وقت بھی کچھ ایسا احساس ہوتا ہے کہ وہ گرے پڑے معتوب مسلمانوں کی طرف سے سفاک حاکموں کی توجہ ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں اور پنجاب کی رعایا کے، جو ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے شدید قتل و خون کے بعد تاراج ہوئی تھی، "اچھا بچہ" ہونے کے دلائل لا کر دہلی و نواحات میں ہونے والی سرکشی کے نتیجے میں امنڈنے والے سونامیِ غیظ میں سکون لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کارل مارکس نے بھی لکھا کہ پنجاب کی کھلی بغاوت صرف مقامی فوجوں کو توڑ کر روکی گئی تھی۔[4] تاہم ڈکیتیاں مارتی، اپنی عدالتیں لگا کر غداری کے سرٹیفکیٹ بانٹتی، لاہور میں خانہ جنگیاں کراتی اور توشہ خانے کے برتن تک بیچ کر اخراجات پورے کراتی فوج سے نجات ملنے پر پنجاب کی عوام جہاں رانی جنداں کی احسان مند ہوئی وہیں انگریز کو بھی خوش آمدید کہتی بنی۔

واضح رہے کہ انگریز کے پنجاب کو فتح کر لینے کے بعد بھی اِکا دُکا سورما اپنی دھرتی کے غریبوں کسانوں کے حقوق کے لیے لڑتے رہے تھے جیسے ۲۱/ ستمبر ۱۸۵۷ء کو گوگیرہ ساہیوال میں شہید ہونے والا رائے احمد خاں کھرل، جس کے انگریز کے لیے دردِ سر ہونے کا ذکر کارل مارکس تک نے کیا ہے۔ کھرل بھی اُسی طرح کا کردار ہے جیسا دُلا بھٹی تھا جس نے ہندوستان کو مغل نوآبادی بنانے والے اکبر کی دراندازی کے خلاف مسلح جدوجہد کی تھی، تاہم اُس کا کردار زیادہ تر افسانوی اور لوک ادب ہی میں ہے کیونکہ معاصر تاریخ میں وہ بالکل غائب ہے۔ اصولی بات ہے کہ ۱۸۵۷ء کے فسادات کے زمانے میں انگریز کے خلاف جس نے بھی مسلح جدوجہد کی اُس کا انجام چیتھڑے اُڑنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکا۔ عقیدت کے جبر میں کسی کے بارے میں ایسا دعویٰ کیا جا رہا ہو کہ فلاں فلاں نے انگریز کے خلاف جہاد کیا اور وہ بعد میں زندہ بھی رہا تو یہ نری گپ اور مقدس جھوٹ ہے، یا پھر پر کا کوا بنا کر دکھایا جا رہا ہے۔ اِس بات کو بالوضاحت لکھنا ضروری ہے کہ رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند تاجِ برطانیہ کے دور سے پہلے کا ہے اِس لیے اِس میں صرف ایسٹ انڈیا کمپنی والے انگریز کا ذکر مذکور ہے۔ انگریز انگریز میں فرق کرنا چاہیے۔ کمپنی کا انگریز اور تھا اور تاجِ برطانیہ کا ملازم انگریز اور! بیگم حضرت محل نے "اعلانِ وکٹوریہ" کے رد میں جوابی فرمان (Counter Proclamation) میں یہی تو لکھا تھا کہ جب لوگ وہی ہیں اور صرف

---

۲ سر سید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند** ۱۳۱۔

۳ سر سید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۱۳۵۔

۴ **ڈیلی ٹریبیون** (نیویارک: ۱۷/جولائی ۱۸۵۷ء)۔

ایڈ منسٹریشن یعنی چین آف کمانڈ میں تبدیلی آئی ہے تو فرق کیا رہا؟ یہ الگ بات ہے کہ تاجِ برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کی ناکامی اور اُس کے خلاف بغاوت سے سبق سیکھا اور خود کو ایسا رکھا کہ عوام راضی رہی، لہٰذا بیگم حضرت محل کے خدشات درست ثابت نہ ہوئے۔

یہ جوابی فرمان جس کی تاریخِ اجرا بسیار تلاش کے باوجود معلوم نہ ہو سکی، اعلانِ وکٹوریہ کا پیراگراف بہ پیراگراف جواب ہے اور ہندوستانیوں کے جذبات کی آئینہ دار ایسی شاندار دستاویز جس کا پڑھنا آج بھی خون گرما دیتا ہے۔

نیز اِس کا اردو میں خلاصہ ملاحظہ ہو: تاریخ جنگِ آزادیِ ہند ۱۸۵۷ء (ص ص ۲۳۴-۲۳۶)۔ نسخۂ صفوان میں یہ چیزیں Appendix-D اور ضمیمہ-۵ میں موجود ہیں۔ سرسید تاریخ سرکشیِ بجنور اور اسبابِ بغاوتِ ہند لکھ کر خاموش نہ رہے تھے بلکہ اِن موضوعات پر مزید بھی لکھتے رہے اور مثلاً اگلے دو سال یعنی سنہ ۱۸۶۰ء اور سنہ ۱۸۶۱ء میں اردو و انگریزی میں تین حصوں میں ایک رسالہ خیر خواہِ مسلمانان (An Account of the Loyal Mohamedans of India) لکھا جس میں غدر کے ایام میں انگریزوں کے وفادار مسلمانوں کی خدمات کا مستند تذکرہ ہے۔ اِس کے تینوں حصے مفصلائٹ پریس کی میرٹھ برانچ سے چھپے (جنھیں سنہ ۱۹۹۸ء میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے مرتّب کر کے یکجا شائع کیا ہے)۔

الغرض سرسید نے اسبابِ سرکشیِ ہندوستان پر کتابوں کتابچوں کا ایک پورا سلسلہ لکھ کر ایک دردمند مگر باہوش ہندوستانی ہونے کا ثبوت دیا اور حکومتی مشینری کا حصہ ہوتے ہوئے مسلمانوں کے بارے میں انگریز کی غلط فہمیوں کا موثر ارتداد و انسداد کیا۔ اِس سلسلے کی ہر کتاب و رسالہ ایک دوسرے کو مضبوط کر رہا ہے۔ بے شک اسبابِ بغاوتِ ہند وہی لکھ سکتا تھا جس نے آثار الصنادید لکھ رکھی ہو! سرسید جس تکنیک سے ہندوستانیوں کا مقدمہ لڑتے اور اپنے موکل کو بچاتے ہیں اُس سے جنابِ مختار مسعود یاد آتے ہیں۔ جب تہران میں مظاہرین دفتروں میں گھس کر شاہِ ایران کی تصویریں اتارتے اور اتری ہوئی تصویروں پر غصہ نکالتے پھر رہے تھے تو اُنھیں اندیشہ ہوا کہ کل کلاں میرے دفتر کی باری بھی آسکتی ہے، چنانچہ اُنھوں نے سفارتی آداب ملحوظ رکھتے ہوئے شہنشاہِ وقت، شاہ بانو اور ولی عہد کی تصاویر اتروانے کا حیلہ یوں نکالا کہ دفتر میں لگی وہ ساری تصویریں جن کے فریم بدرنگ ہو چکے ہیں اُنھیں فوراً اتار کر نئے روغن یا نئے فریم کے ساتھ دوبارہ آویزاں کرنے کا سرکاری حکم نامہ جاری کر دیا۔ تھوڑی دیر میں تعمیل ہو گئی اور ہر طرح کی خراب کاری کا خطرہ ٹل گیا۔ سرسید بھی اِسی انداز میں مسلمانوں پر آتے ہر درست الزام کو نہایت بیدار مغزی سے ''ہندوستانی عوام'' کی طرف موڑ دیتے ہیں، اور جہاں ضرورت پیش آتی ہے۔

سرکاری ملازمین کو تبدیلیِ مذہب اور قبولِ مسیحیت کی دعوت دینے والے پادری ای ایڈمنڈ کے گشتی مراسلے کا اور کالے پادریوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا حوالہ دے دیتے ہیں۔ ای ایڈمنڈ کا متذکرہ مراسلہ وہ چیز ہے جو انگریز کے گلے میں چھچھوندر بن گئی تھی۔ اِس خط کی وجہ سے بڑھتی ہوئی عوامی بداعتمادی کا دفعیہ کرنے کے لیے پہلے تو بنگال گورنمنٹ نے اشتہار جاری کیا کہ حکومت کا رعایا کے مذہبی معاملات سے کوئی لینا دینا نہیں اور جس نے یہ خط بھیجا ہے ذاتی حیثیت میں بھیجا ہے، اور پھر تاجِ برطانیہ کا اقتدار قائم ہوتے ہی پہلے دن ملکہ وکٹوریہ نے ساری عملداری میں اعلان کرایا کہ مقامی نوابیاں اور رجواڑے قائم رہیں گے اور تاجِ برطانیہ ہندوستانی رعایا کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دے گا۔ اعلانِ وکٹوریہ کا متن سرسری بھی پڑھیے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اِس نے مذہبی بنیادوں پر استوار ۱۸۵۷ء کی خونیں کشاکش کو ایک مذہبی خانہ جنگی میں بدلنے سے روکا ہے۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کے متن کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اِس میں بہت سی ایسی باتیں نہایت وضاحت اور پس منظری تفصیل کے ساتھ لکھی ہیں جو اعلیٰ درجے کی انتظامی زبان میں لفٹننٹ گورنر بنگال کے متذکرۂ بالا اشتہار اور ازاں بعد شاہی درباری زبان میں اعلانِ وکٹوریہ میں ملتی ہیں۔ اِن دونوں

فرامین کی لفظیات بھی، بیشتر، ملتی جلتی ہے۔ سر سید نے بھی بالکل وہی کچھ لکھا جو وقت کی مقتدرہ کہہ رہی تھی اور جو پالیسی وہ بنا رہی تھی۔ مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرنا، بھوک و افلاس دور کرنے کے لیے مقامی نوابوں رئیسیوں اور رجواڑوں پر دھانتاؤں کا قائم رکھنا، وغیرہ وغیرہ، وہ چیزیں ہیں جنھیں مقتدرہ نے اپنایا۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے سر سید نے رسالے کے پیش لفظ میں لکھا کہ ملکہ کے اعلان کے بعد نہ صرف مجھے بلکہ کسی کو بھی اسبابِ سرکشیِ ہندوستان لکھنے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ جو مقصد اِس لکھنے سے حاصل ہو سکتا تھا وہ ملکہ کا اعلان جاری ہونے کے ساتھ ہی بطریقِ احسن حاصل ہو چکا ہے۔ اور شاید اِس لیے بھی اُنھوں نے اِس رسالے کی عوامی اشاعت کی ضرورت محسوس نہیں کی ورنہ طباعت و اشاعت سے تو اُن کا پوری زندگی واسطہ رہا اور وہ اپنا رسالہ بھی نکالتے رہے، اِس لیے اگر چاہتے تو اِس کا کوئی اقتباس ہی اپنے کسی مضمون میں نقل کر دیتے، لیکن اُنھوں نے یہ بھی نہ کیا۔ الغرض سنہ ۱۸۵۷ء تا ۱۸۵۹ء کے تین سال میں سر سید کا باشندگانِ ہندوستان پر سب سے بڑا احسان انگریز کو یہ باور کرانا ٹھہرتا ہے کہ کمپنی راج کے حکومتی اقدامات سے تنگ آ کر سرکشی پر مجبور ہو جانے والی عوام کسی ایک مذہب کی پیروکار نہ تھی بلکہ یہ کم نصیب لوگ، بلا تفریقِ مذہب، بغیر کسی تیر میر کے، صرف اور صرف ہندوستانی تھے۔ جنابِ عابد صدیق نے "سر سید احمد خاں اور رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند" میں اِس پہلو کا کیا خوبصورت تجزیہ کیا ہے:

> "...اِن پانچوں اسباب پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک یعنی پہلا سبب ہندوستانی رعایا سے منسوب کیا جا سکتا ہے، جسے اُنھوں [سر سید] نے رعایا کی غلط فہمی کا نام دیا ہے۔ باقی چاروں اسباب کی ذمہ داری خود حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ گویا اُنھوں نے لطیف انداز میں، لیکن منطقی دلائل کے ساتھ، حکومت کو مجرم ٹھہرایا اور رعایا کو بری کر دیا، وہی رعایا جسے مجرم تصور کرتے ہوئے مسلسل نشانۂ ستم بنایا جا رہا تھا۔ گویا اُنھوں نے حکومت کو دوہرے جرم کا مرتکب قرار دیا: ایک جرم یہ کہ خود ہی بغاوت کے اسباب پیدا کیے، اور دوسرا جرم یہ کہ رعایا پر بے جا دار و گیر، جب کہ حقیقتاً وہ مجرم ہی نہ تھی۔"[5]

سرکشیِ ہندوستان کے اسباب اور سر سید کے اپنا رسالہ چھپانے کے موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے اُسے دوہرانا تکرار ہے۔ راقم کو اِس کی جو شہادت رسالے کے متن سے ملی وہی عرض کی۔ راقم سیاسیات کا طالبِ علم نہیں ورنہ اِس موضوع پر باقاعدہ لکھتا۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ سر سید اُن لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے دہلی میں انگریز سے پنشن لیتے بہادر شاہ کا دربار دیکھا، پھر بادشاہ کو شیخِ تصوف بن کر پیری مریدی کا کاروبار کرتے اور نچلے درجے کے فوجیوں سپاہیوں (تلنگوں) کو سلوک کی منازل طے کراتے دیکھا، پھر (درست لفظی معنی میں) دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجتی دیکھی، اور پھر یورپین نوآبادی دور کے بدترین تسلط کے عین یومِ شباب یعنی یکم نومبر سنہ ۱۸۵۸ء کو لگنے والے الٰہ آباد دربار کو دیکھا۔ اُنھوں نے طاقت کے نشے میں چور اُن سفاک انگریزوں کے تاباں چہروں کو دیکھا جنھوں نے اپنی ملکہ کو اِتنے ملک فتح کر کے دیے تھے کہ اُس کی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ یہ وہ فاتحین تھے جنھوں نے دور نزدیک پھیلی سرکشی کو کامیابی سے کچل ڈالا تھا اور جن کی انسدادِ سرکشی کی ساری تگ و دو اب صرف اِس نقطے پر مرکوز تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کی افرادی، سماجی، معاشی اور حربی قوت کو تہس نہس کر دیا جائے۔ ایسے میں سر سید نے مسلمانوں کے بجائے ہندوستانیوں یعنی رعایائے ہندوستان کا مقدمہ لڑا اور مسلمانوں کے لیے دہکائی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنے میں اپنا حصہ ڈالا۔ مسلمان اقلیت کو بپھرے ہوئے انگریز کے قہر سے بچانے کے لیے وہ ہر حد تک گئے یہاں تک کہ نہایت صفائی سے (عصرِ حاضر کی صحافیانہ اصطلاح میں) مذہبی کارڈ بھی کھیلا۔

---

۵ عابد صدیق، **تحسینیات** (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکادمی، ۲۰۱۲ء)، ۱۴۹۔

اسبابِ بغاوتِ ہند میں انگریزوں پر مسلمانوں کے احسانات کا ذکر کر کے وہ اُنھیں گورنمنٹ کا ہندوؤوں سے زیادہ خیر خواہ تصویر کرتے ہیں، چنانچہ اپنی بات مکمل کرتے وقت وہ انگریز کو اُسی کے مذہبی اعتقاد کی کتاب سے حوالہ دیتے ہوئے کرپال ودیال خدا کی بابت لکھتے ہیں:

"...اِس میں کچھ شک نہیں کہ پانچویں قسم کی بغاوت مسلمانوں میں بہت تھی اور وہ تبدلِ عملداری کے خیال سے بہت خوش ہوتے تھے، جس کا سبب ہر ایک مقام پر ہم بیان کرتے آئے ہیں۔ بایں ہمہ ہماری گورنمنٹ پر مخفی نہ ہوگا کہ اِس حال پر بھی جاں بازی کی خیر خواہیاں اِس ہنگامہ میں کس سے زیادہ ظہور میں آئی ہیں۔ خدا کے آگے جس کو حقیقی بادشاہت ہے، اور دنیا کے بادشاہوں کے آگے جن کو مجازی سلطنت خداوند نے عطا کی ہے، سب گنہگار ہیں۔ سچ فرمایا داؤد مقدس علیہ السلام نے کہ: "اے خداوند! اپنے بندے سے حساب نہ لے کیونکہ کوئی جاندار تیرے حضور بے گناہ ٹھہر نہیں سکتا۔ اے خدا، اپنے کامل کرم سے مجھ پر رحم کر اور اپنے رحموں کی فراوانی سے میرے گناہ مٹادے۔ مجھے میری برائی سے خوب دھو اور مجھے میرے گناہ سے پاک کر۔ آمین"[6]"

سرکشیِ ہندوستان کے اسباب پر بہت لوگوں نے لکھا ہے اور اِسے بدامنی، فساد، ہنگامہ، بغاوت، شورش، غدر، سازش، سپاہیوں کی بغاوت، سپاہیوں کی غلط فہمی اور توہم پرستی، وغیرہ وغیرہ سے لے کر جنگِ آزادی اور تحریکِ جہاد تک کا عنوان دیا ہے۔ سرسید کے اسبابِ بغاوتِ ہند کے سبھی محترم مدوّنین بھی اِس فہرست میں شامل ہیں۔ یہ موضوع ہی ایسا ہے کہ ہر صاحبِ دل قلم کار نے اِس پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے اور سرکشی کے ایک مضمون کو سو رنگ سے باندھا ہے۔ اب اسبابِ بغاوتِ ہند کے اسلوب و لفظیات پر چند باتیں۔ اِس رسالے کا متن ۱۷۹۶۵ الفاظ پر مشتمل ہے اور تمام مشمولات ۱۹۳۱۶ الفاظ۔ جیسا پہلے عرض کیا گیا، یہ رسالہ انگریز مقتدرہ کے لیے لکھا گیا تھا چنانچہ سرسید نے اِس کی تمام ذیلی سرخیاں اردو اور انگریزی میں لکھیں تا کہ انگریزی خوانوں کو سمجھ میں آسکیں؛ ذیلی سرخیوں کی تعداد ۷۷ ہے۔ پہلی بات لفظ بغاوت (اور اس کے تفاعلات) کی کیے لیتے ہیں کہ یہ اب رسالے کے نام میں شامل ہے۔

۱: ذیلی سرخیوں میں الف: بغاوت کا لفظ ایک بار لکھا ہے جس کا ترجمہ Outbreak کیا گیا ہے؛ ب: سرکشی کا لفظ ۵ مرتبہ آیا ہے جس کا ترجمہ ایک بار Revolt، دو بار Rebellion، اور ایک ایک بار بالترتیب Outbreak اور Mutiny ہے؛ ج: فساد کا لفظ ۲ بار ہے اور اس کا ترجمہ بالترتیب Rise اور Outbreak کیا گیا ہے؛ د: جہاد، ہنگامہ، سازش اور باغی کے الفاظ ایک ایک بار ہیں اور اِن کا ترجمہ بالترتیب Jehad، Rebel، League between، اور Rebel ہے۔

۲: رسالے کے متن میں الف: بغاوت کا لفظ ۷ بار لکھا ہے؛ اِن ساتوں مقامات پر فوج سے متعلق بات ہو رہی ہے اور "فوج کی بغاوت"، "فوج میں بغاوت" اور "فوجِ باغی" کے فقرے/ تراکیب موجود ہیں۔ ب: سرکشی کا لفظ ۳۱ بار لکھا ہے؛ اِن سب مقامات پر فوج کے ساتھ ساتھ تلنگے، بعض نواب راجے اور سرکشی پیشہ عوام بھی شامل ہے، نیز "سرکشیِ رعایا" اور "سرکشیِ قوم" جیسی تراکیب بھی موجود ہیں۔ ج: جہاد کا لفظ مع اسمِ صفت ۲۱ بار آیا ہے۔ د: فساد کا لفظ مع تصریفات ۳۱ بار اور مفسد مع تصریفات ۱۳ بار آیا ہے۔

۳: اِس کے علاوہ انگریزی میں لکھے Preface میں سپاہیوں کی Disaffection کو Rebellion کی وجہ لکھا ہے۔ یاد رہے کہ متذکرۂ بالا ذیلی سرخیوں میں وہ الفاظ ہیں جو اِس رسالے کے اصل مخاطبین کی فوری توجہ کے لیے لکھے گئے ہیں، اور انگریزی Preface تو ہے ہی

---

۶ زبور ۵۱: ورس ۲،۱۔

صرف اُن کے لیے۔ الفاظ کی مندرجہ بالا شماریاتی تفصیل کو ایک نظر دیکھنے سے اِس نتیجے پر پہنچتے دیر نہیں لگتی کہ سرسید نے عوام کے لیے سرکشی جب کہ فوج کے لیے بغاوت کا لفظ استعمال کیا ہے، اور باغی بھی حکم عدولی کرنے والے سپاہیوں کو کہا ہے نہ کہ عوام کو (اور اِس کے لیے اُنھوں نے Index to Contents میں Insubordinate state of the Indian forces کا فقرہ استعمال کیا ہے)۔ مثال کے طور پر صرف اِس جملے میں سرکشی اور بغاوت کے لفظ دیکھیے:

> ''سنہ ۱۸۵۷ء کی سرکشی میں یہی ہوا کہ بہت سی باتیں ایک مدتِ دراز سے لوگوں کے دل میں جمع ہوتی جاتی تھیں اور بہت بڑا میگزین جمع ہو گیا تھا، صرف اُس کے شتابے میں آگ لگانی باقی تھی کہ سالِ گذشتہ میں فوج کی بغاوت نے اُس میں آگ لگادی۔''[۷]

واضح بات ہے کہ بغاوت اُس شخص کا فعل کہلائے گا جو تنخواہ لینے کے باوجود حکم عدولی کرے اور دشمن کا ساتھ دے، عوام تو سرکشی ہی کرے گی! جاننا چاہیے کہ بغاوت بہت بھاری لفظ ہے اور کچھ ایسا ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستان کی رعایا ساری کی ساری ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اور یہ بات حقیقت سے بالکل مختلف ہے۔ اِسی طرح یہ مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ سرکشی کے لیے Mutiny کا لفظ استعمال کرنے پر سرسید کو انقباض تھا، جس کا اظہار اُنھوں نے سر جان ولیم کئے (John W. Kaye) کے نام اپنے خط میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نسخۂ صفوان Appendix-I۔ پھر شاہ اسمٰعیل شہید کے فتوے کہ ''ہندوستان کے رہنے والے جو سرکارِ انگریزی کے امن میں رہتے ہیں، ہندوستان میں جہاد نہیں کر سکتے''[۸] کا حوالہ دے کر سرسید نے عوام میں سے اُن لوگوں کو جنھوں نے ہتھیار اٹھائے اور جہاد کے جعلی فتوے تقسیم کر کے جہاد جہاد کے نام پر فساد کیا اور لوٹ مار کرتے رہے، پاجی، جاہل اور مفسد لکھا ہے اور اُن کی اِس حرکت کو حرمزدگی، یعنی اُنھوں نے اطاعتِ اولی الامر نہ کرنے والے ہندوستانیوں کو بلا تفریقِ مذہب اِن الفاظ میں یاد کیا ہے۔ اِسی طرح اُنھوں نے خود کوئی فتویٰ نہیں لگایا بلکہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تقلید میں ہندوستانی مسلمانوں کے لیے مستامن کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سرسید کا قرآنی دلیل سے بات کرنا یہاں بہت دلچسپ ہے۔ تاہم اِس تحریر کا مقصد چونکہ سرسید کے نظریات پر نہیں بلکہ رسالے کے متن پر بحث ہے اِس لیے اِس پر کوئی رائے دیے بغیر میں اپنے موضوع پر مبذول ہوتا ہوں۔ یہ بات اہم ہے کہ سرسید نے امنِ عامہ خراب کرنے والے فسادیوں، جاہلوں اور بچھوڑوں میں سے کسی کو غدار نہیں کہا؛ غدار کا لفظ اسبابِ بغاوتِ ہند کے پورے متن میں نہیں ہے۔ حکومت سے نالاں اپنے برادر ہندوستانی کو سرسید غدار نہیں کہتے کیونکہ وہ حکومت اور ریاست کا فرق جانتے ہیں۔ اِسی طرح یہ متن کافر یا کفر کے الفاظ اور اِن کی ہر تصریفی صورت سے پاک ہے۔

الغرض اِن واقعات کے قریب قریب پونے دو سو سال کے بعد آج راقم سرسید کے لسانی شعور پر انگشت بدنداں ہے کہ وہ لفظِ بغاوت اور اِس کے تفاعلات کی لمبی قطار میں سے کس مہارت سے موقع کا درست ترین مفہوم والا لفظ برتتے ہیں، اور موقع کے مناسب متبادل انگریزی لفظ منتخب کرتے ہیں۔ اُنھیں انگریزی نہیں آتی تھی اور رسمی تعلیم بہت کم اور ملازمت کا گریڈ بھی اُن دنوں بہت چھوٹا، لیکن اُن کا لسانی شعور اور انگریزی لفظوں کا درست فہم حیران کر دینے والا ہے اور وہ اردو کی طرح انگریزی الفاظ کے استعمال میں بھی معیاری، نیم معیاری، معمولی اور عامیانہ Labels کا پورا ادراک رکھتے ہیں۔ اِس متن کی لفظیات پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو ایک علمی احساس یہ اجاگر ہوتا ہے کہ وہ اصطلاح پرست (Terminomanist)

---

۷ سرسید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۹۷۔

۸ سرسید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۱۰۳۔

نہیں ہیں کہ ایک لفظ کو ایک ہی معنی میں استعمال کرنے پر اصرار کریں اور مفہوم کا خون کر دیں بلکہ وہ اپنا مافی الضمیر فہمانے کے لیے گفتگو کا پورا ماحول استعمال کرتے ہیں۔ ترجمہ کرنے والے لوگ خوب جانتے ہیں کہ ایک لفظ کو کسی لفظ کے ترجمے کے لیے مخصوص کر دینا ممکن نہیں ہے۔ بنا بریں راقم پوری ذمہ داری سے عرض کرتا ہے کہ اسبابِ بغاوتِ ہند کا دنیائے اردو میں اردو-انگریزی دوطرفہ ترجمہ کاری کی اوّلین مثالوں کے طور پر مطالعہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ انتہائی مضبوط لفظیات میں لکھا عملی اردو زبان کا یہ متن بیک وقت تاریخی، سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی اور دفتری و درباری یعنی چھ پہلوؤں سے مطالعات کی گنجائش رکھتا ہے۔ اگلی بات یہ کہ اِس پورے متن میں ایک بھی لفظ فالتو نہیں ہے اور نہ اپنے مقام سے ہٹا ہوا۔ مثال لیجیے کہ گورنر جنرل کا لفظ تو اِس میں بار بار ملے گا لیکن وائسرائے کا لفظ اِس میں موجود نہیں ہے۔ وجہ یہ کہ گورنر جنرل ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم ہوتا تھا جب کہ وائسرائے تاجِ برطانیہ کا نمائندہ۔ پہلے وائسرائے کی تعیناتی یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ہوئی تھی۔

برِ عظیم میں انگریز کے اقتدار کا کمپنی راج سے برطانوی راج میں تبدیل ہونا یعنی مقتدرہ کی نوعیت اور ہیئت میں آنے والی تبدیلی بہت اہم ہے جس نے دوررس اثرات مرتّب کیے۔ سر سید نے حکومتِ شخصیہ اور حکومتِ نوعیہ میں جو فرق بتایا ہے[9] اُس کی اصل صورت جس کے اچھے اثرات عوام میں نچلی سطح تک پھیلے، اِسی تبدیلی کے باعث ہوئے گو یہ رسالہ اِس دور کے شروع ہونے سے مکمل ہو چکا تھا۔ حکومتِ شخصیہ سے مراد مثلاً مغل حکومت جو پہلے ہندوستان میں تھی، یعنی بندوبستِ حکومت کسی حاکم کے نام سے چلتا تھا اور اُسی کے نام کا ڈنکہ بجتا تھا، جب کہ کمپنی کی حکومت اور تاجِ برطانیہ کی حکومت شخصی حکومت نہ تھی بلکہ گورنر جنرل کے عہدے پہ تعینات کیا جانے والا شخص ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم ہوتا تھا جو کورٹ آف ڈائریکٹرز اور بورڈ آف کنٹرول کی جانب سے بھیجا جاتا تھا؛ اور جب راج دور آیا تو وائسرائے بھی یہاں بادشاہ نہیں ہوتا تھا بلکہ شہنشاہِ برطانیہ کا نائب ہوتا تھا جو تعینات کر کے یہاں پوسٹنگ پر بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ یہاں گورنر جنرل (اور ازاں بعد وائسرائے) کی حکومت نہ ہوتی تھی بلکہ انگریز کی بحیثیتِ قوم حکومت ہوتی تھی، جسے سر سید نے حکومتِ نوعیہ کہا ہے۔ اُنھوں نے یہ رونا رویا ہے کہ انگریز جو یہاں پر حکومتِ نوعیہ کر رہا تھا، خوف اور خوشامدی کلچر پیدا کرنے جیسی وجوہ سے اُس کی حکومت میں حکومتِ شخصیہ والی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، اور یہ چیز مقامی بادشاہوں اور دیسی نوابوں راجاؤں رانیوں کی نسبت زیادہ ضرر آور ہے۔ سر سید کے اسلوبِ تحریر میں اگلی بات لغت نوازی (Wordsmithery) اور گھڑنتیت (Coinage) کی کیے لیتے ہیں۔ یہ رسالہ لکھتے وقت سر سید نے دفتری انگریزی کے لیے متبادل اردو اصطلاحات خود بنائیں جو اِس متن میں جگہ جگہ ملتی ہیں، مثلاً ناظمِ مملکت (Governor General)، معافیات (Revenue Free Lands)، ضبطی اراضیِ لاخراج (Resumption of Mafis)، عورتوں کی فعل مختاری (Giving Liberty to Females)، وغیرہ۔ زبانِ دفتری کی اصطلاحات کا باقاعدہ اردو ترجمہ اِس سے قبل غالباً نہیں کیا گیا۔ اِس اصطلاحات سازی کے عمل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظیات سر سید نے موضوع کو خوب سمجھنے کے بعد گھڑی ہے جس میں یقیناً اپنے انگریز احباب اور رفقائے کار سے مدد لی ہے۔

نیز اِن متبادل اردو اصطلاحات میں بے روح لفظی ترجمے والی تکنیک کا دور دور تک پتہ نہیں ملتا۔ چنانچہ ظاہر ہوتا ہے کہ سر سید اپنی تحریر میں اِبلاغ یعنی دوطرفہ کمیونیکیشن کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں اور صرف اپنی بات سنا کر وماعلینا الا البلاغ نہیں کہتے بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ اُن کا مخاطب اُن کی بات کو سمجھ بھی لے، اور اِس کے لیے وہ لکھنے سے پہلے تحقیق کر لیتے ہیں۔ متبادل اصطلاحات ہی نہیں لفظوں کی گھڑ نہاری بھی اُس دور میں عام تھی جیسے آج سائبر اردو اور سوشلستان کی زبان میں نئی نئی گھڑنتیں ملتی ہیں۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کے متن سے صرف ایک مثال پیش ہے جو واقعی ندرت

---

۹ سر سید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۱۳۴۔

لیے ہوئے ہے۔ تعلیقیے/ چسپیے (Affixes) تین طرح کے ہوتے ہیں: سابقہ، لاحقہ اور داخلیہ (Infix)۔ سرسید نے ایک مرکب لکھا ہے: بے وقر، بمعنی حیثیت کے مطابق عزت و مقام نہ دینے کا عمل یا رویہ۔ یہ ترکیب بے وقار میں الفِ داخلیہ کی مثال ہے جسے سرسید نے یہاں منہا کر کے لکھا ہے یعنی الف گرا دیا ہے۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) میں وقر کا اندراج مع کئی ذیلی اندراجات محاورات وغیرہ موجود ہے اور عین اُس دور کی اسناد موجود ہیں جب سرسید نے یہ ترکیب لکھی، تاہم اِس کا اندراج ہونے سے رہ گیا ہے۔ یہ بات عام معلوم ہے کہ سرسید ''آسان اردو'' کے داعی تھے لیکن اِس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اُن کا اسلوب اردو کا بنیادی اسلوب کہلا سکتا ہے جیسے مثلاً مولوی عبدالحق یا سید مسعود حسن رضوی ادیب وغیرہ کا اسلوب۔ تاہم یہ طے ہے کہ اُنھوں نے اپنے دور کے اعتبار سے آسان اردو لکھی۔ اُن کے آسان اردو لکھنے کا سب سے بڑا محرک تہذیب الاخلاق تھا جس میں عام عوام کے لیے، اُن کی سمجھ میں آنے والی سامنے کی زبان میں، سماجی و اصلاحی تحریریں لکھنا ہوتی تھیں۔ اسبابِ بغاوتِ ہند اِس رسالے سے بہت پہلے کی بات ہے لیکن اِس تحریر میں بھی سادگی ہے۔ یاد رہے کہ اِس تحریر کی سادگی کو اُن کے دور کی تحریروں کے آئینے میں رکھ کر جانچا جائے گا نہ کہ آج کی سادہ زبان سے؛ مثال کے طور پر اُن کے ہم جماعت قاسم نانوتوی کی تحذیر الناس (۱۸۷۳ء) کے اسلوب سے اِس کا موازنہ کر لیجیے۔ سرسید کی آسان اور سادہ زبان کا ذکر ہوا تو اِس کے تناظر میں یہ مطالعہ دلچسپ ہوگا کہ اسبابِ بغاوتِ ہند کے موجودہ ایڈیشن میں اکٹھے کیے گئے متون میں تین انداز کا فحوائے کلام (Tenor) یا رنگ (Diction) فراہم ہو گیا ہے: پہلا سرسید کے متن کا، دوسرا لفٹننٹ گورنر بنگال کے ۱۷/اگست ۱۸۵۵ء والے فرمان کا اور تیسرا ملکہ برطانیہ کے یکم نومبر ۱۸۵۸ء والے فرمان (اعلانِ وکٹوریہ) کا، یعنی وہ دونوں فرامین جن کا حوالہ سرسید نے دیا ہے۔ یاد رہے کہ چونکہ یہ فرامین عام مشتہر ہوئے تھے اِس لیے اِنھیں رسالے میں بالالتزام ''اشتہار'' لکھا ہے۔ اوپر ذکر ہوا ہے کہ بنگال گورنمنٹ کے اشتہار کی اور اعلانِ وکٹوریہ کی لفظیات ملتی جلتی ہے اور سرسید نے جو لکھا وہ مفہوماً اِنہی فرامین کی بازگشت ہے۔

یہاں اعلیٰ درجے کی رسمی زبان میں تین طرح کے کلام ملفوظ (لفظیات) کا تال میل ہے: ایک ہی بات جو ۱۸۵۸ء میں سرسید یعنی ایک ماتحت سرکاری افسر نے دفتری یا افسرانہ زبان (اردو) میں حد درجہ متانت سے اور حفظِ مراتب کا انتہائی لحاظ رکھتے ہوئے لکھی، اِسے رعایا کا یعنی Subservient انداز کہہ لیجیے؛ یہی بات تین سال پہلے لفٹننٹ گورنر بنگال نے درباری یا نوابی زبان (فارسی) میں لکھی اور مشتہر کرائی، اِسے سپاٹ یعنی Neutral انداز کہہ لیجیے جس میں کوئی لگی لپٹی (Value addition) نہیں ہے اور یہ خالص Administrative زبان ہے؛ اور یہی بات وائسرائے کے عہدہ پر تعینات کیے جانے والے گورنر جنرل نے ملکۂ برطانیہ کے الفاظ یعنی شاہی زبان (انگریزی) میں لکھی اور مشتہر کرائی، جس کا انداز انتہائی تحکمانہ اور شاہانہ یعنی Authoritative ہے۔ اِس کتاب کے مطالعے سے قاری کو زبان اور اسلوب کے یہ تینوں ذائقے یکجا ملیں گے۔ عرض ہے کہ اپنی بات سمجھانے کے لیے جو اصطلاحات/ لفظیات راقم نے نظریۂ ضرورت کے تحت فوری طور پر گھڑ لی ہے، یہ ٹکسالی اصطلاحات نہیں ہیں اور نہ لسانیات کا کلاس روم ڈسکورس۔ عجزِ بیان و انشا پر معذرت۔ یہ بھی تسلیم کہ یہاں اسلوب کی جو تقسیم راقم نے کی ہے یہ بھی عمومی یا روایتی سائنسی تقسیم نہیں ہے۔ امید ہے کہ اردو زبان کی سائنس جاننے والے اہل لوگ یہ بات لسانیات کی ٹکسالی اصطلاحات اور چلن دار لفظیات میں کہہ سکیں گے اور اِس کے لیے مناسب Label یا Register کا تعین بھی کر سکیں گے۔

سرسید کے اسلوبِ تحریر کے ضمن میں اگلی بات یہ ہے کہ وہ کہیں رواجاً اور کہیں تکریماً بعضے ایسے الفاظ کو جمع مذکر لکھتے ہیں جو آج واحد استعمال ہوتے ہیں۔ متن میں سے صرف دو لفظوں کی مثال یہاں دیتا ہوں: قوم اور گورنمنٹ۔ قوم کا لفظ وہ اپنے دور کی چلن دار قواعد کے اعتبار سے جب کہ گورنمنٹ کو تکریماً و احتراماً ہمارے گورنمنٹ یعنی جمع مذکر لکھتے ہیں۔ چنانچہ اِس قسم کے الفاظ اور تکریماتی لفظیات مصنف کا اسلوب ہونے کی وجہ سے

ایسے ہی لکھے گئے ہیں۔ تکریمی الفاظ والقابات کا استعمال اُن کے ہاں درجہ بہ درجہ عہدے اور شخصیت کے عین مطابق ہوتا ہے، مثلاً وہ ملکہ وکٹوریہ کو ''جنابِ ملکۂ معظمہ کوئین وکٹوریہ دام سلطنتہا'' لکھتے ہیں اور لفٹننٹ گورنر بنگال کو التزاماً ''جنابِ معلی القاب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر بنگال''؛ بہادر بطور جزوِ دوم اُس وقت افسرانہ تراکیب میں عام تھا: صاحب بہادر، انگریز بہادر، گورنر بہادر، گورنر جنرل بہادر، نیز اِسی طرح گورنر جنرل کو نواب گورنر جنرل لکھنا، وغیرہ۔ اِسی طرح وہ کلکتہ کے انگریز سرکاری پادری کو از روئے عہدہ احتراماً ''پادری صاحبان'' کہہ کر پوری مذہبی اسٹیبلشمنٹ اور چرچ انتظامیہ مراد لیتے ہیں جو ملکہ وکٹوریہ کے ایما پر ہندوستانی عوام کو مسیحیانے (Christianization) کا کام کر رہی تھی، وغیرہ۔ جاننا چاہیے کہ زبان کے سفر کے ساتھ چیزیں اپنے خانے بدلتی رہتی ہیں۔ آج سے پونے دو سو سال پہلے عوام کا لفظ بھی ویسے ہی جمع بولا لکھا جاتا تھا جیسے قوم اور گورنمنٹ۔ آج قوم اور گورنمنٹ کو تو کوئی بھی جمع نہیں لکھتا (قوم کہتے / کرتے ہیں، وغیرہ) البتہ عوام کا لفظ اب بھی کہیں کہیں جمع استعمال ہوتا ہے (عوام کہتے / کرتے ہیں)۔ واضح رہے کہ یہ عوام کی مرضی ہے کہ وہ زبان کو جیسے چاہے استعمال کرے۔ اسبابِ بغاوتِ ہند میں سر سید حاکم کے لفظ کو انتظامی حکمران کے بجائے حاکمِ عدالت یعنی جج کے معنی میں زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ اِسی طرح ملک سے اُن کی مراد کبھی کوئی ریاست ہوتی ہے، کبھی صوبہ اور کبھی کوئی عملداری۔ اِن مقامات کو ذرا توجہ سے دیکھیں تو منشائے مصنف کی سمجھ آجاتی ہے۔ تاہم ایسے مواقع پر انگریزی ترجمہ سے مدد لے لی جائے تو آج کے قاری کے لیے بہت مناسب ہے۔ ایسی ہی ایک مخصوص ترکیب علمِ ادب ہے جس سے مراد فقہ ہے نہ کہ لٹریچر۔ یہاں بھی انگریزی ترجمہ دیکھنا ضروری ہے۔ بلکہ میری رائے ہے کہ ایسی جگہوں پر نسخۂ پریچٹ (۲۰۰۶ء) سے بھی اعتنا کرنی چاہیے۔ ملاحظہ ہو:

columbia.edu/itc/mealac/pritchett/00litlinks/txt_sir_sayyid_asbab۱۸۷۳

حاکم کا لفظ ذکر ہوا تو اِس کے مقابل رعایا اور نوکر کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔ پورے متن میں رعایا کا لفظ عوام کے لیے جب کہ نوکر کا لفظ ملازمینِ سرکار کے لیے برتا گیا ہے بشمول فوجی جتنا۔ لفظ نوکر انگریزی Servant کا مترادف ہے اور یہ اِس لیے بھی اہم ہے کہ بقول سر سید، نوکری کثیر مسلمانوں کا پیشہ ہے جب کہ ہندو اپنے جمے جمائے سماجی نظام کی وجہ سے نوکری کی ضرورت سے بیشتر ماورا تھے۔ لیکن نوکر خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، اُن کا ذکر کرتے ہوئے سر سید خالص مقتدرہ والا لہجہ رکھتے ہیں اور اس بارے میں اُن کا ذہن بالکل واضح ہے۔ مثلاً ایڈمنڈ کے گشتی مراسلے کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ یہ خط ''سرکاری معزز نوکروں'' کو بھیجے گئے یعنی افسری عہدوں پر فائز ہندو اور مسلمان ملازمین کو، یا مثلاً جب وہ سپاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ''گورنمنٹ نے ہندو مسلمان دونوں کو نوکر رکھا تھا'' یا ''ایک پلٹن کے جتنے نوکر ہیں'' تو اُن کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ اِن لوگوں کو سپاہیانہ نوکری کے لیے ملازم رکھا گیا ہے نہ کہ انھیں سول انتظامیہ کے ساتھ شریکِ کار کیا گیا ہے، اور گورنمنٹ جب چاہے اِن کی نوکری موقوف کر دے۔ سول انتظامیہ کے افسرانِ اعلیٰ کو سر سید حکامِ متعہّد (Covenanted Officers) لکھتے ہیں۔[10] نوکریوں والے مسئلے پر بات کرنے کی ابتدا بھی سر سید نے انگریزوں کی سب سے بڑی خرابی بیان کرنے کے بعد کی ہے اور بتایا ہے کہ ہندوستان میں پوسٹنگ پر بھیجے گئے انگریز نوکر ہندوستان میں توطن (سکونتِ مختلطانہ) اختیار نہیں کرتے اور ریٹائرمنٹ کے بعد واپس اپنے ملک میں جانے کی کرتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ دیسی لوگ اِن کو اُس طرح اپنا خیر خواہ نہیں سمجھتے جیسا کہ عرب، ترک اور افغان نوآباد کاروں کو سمجھتے ہیں جو اگرچہ درانداز ہیں لیکن اب یہیں رس بس گئے ہیں۔[11]

۱۰ سر سید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۱۰۰۔

۱۱ سر سید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۱۳۴۔

اسبابِ بغاوتِ ہند کے متن میں کلیدی الفاظ اور اصطلاحات کا استعمال نہایت بھرپور ہے۔ جتنے بھی جملہ ہائے معطوفہ (Conjunction Sentences) اِس میں ملتے ہیں اُن میں عطفیہ (Conjunction) و کے بجائے اور ہے، اور یہ کلیدی الفاظ اِتنی تعداد میں ہوتے ہیں کہ پہلی پڑھت میں تو خود ہی معطوف اور خود ہی معطوف الیہ محسوس ہونے لگتے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُس دور میں تحریر میں وقفے (Comma) لگانے کا رواج نہ ہوا تھا اور و کا عطفیہ صرف مخصوص تراکیب میں ہی چلتا تھا مثلاً رسم و رواج یا گل و بلبل وغیرہ میں۔ ایک جملۂ معطوفہ کا کچھ حصہ بطور مثال پیش کرتا ہوں جس میں عطفیوں میں اور کے سوا کوئی استعمال نہیں ہوا: "... مگر اِس میں کچھ شک نہیں کہ گورنمنٹ نے رعایا کے حالات اور عادات اور خیالات اور اوضاع اور اطوار اور طبیعت اور طینت اور لیاقت کے دریافت کرنے میں توجہ نہیں کی۔"[12] ذرا غور سے دیکھیے تو یہ جوشِ خطابت نہیں ہے اور نہ مترادفات کی قطار، بلکہ یہ باقاعدہ چُنے ہوئے کلیدی الفاظ ہیں جو سرکاری دستاویز میں لکھے گئے ہیں۔ اِس جملے کا انگریزی ترجمہ نسخۂ گراہم سے دیکھیے تو بات سمجھنا آسان رہے:

> [B]ut I do say that government has not succeeded in acquainting itself with the daily habits, the modes of thought and of life, the likes, and dislikes, and the prejudices of the people.[13]

اسبابِ بغاوتِ ہند میں آج سے پونے دو سو سال پہلے کا چلن دار محاورہ بھی پوری آب و تاب کے ساتھ محفوظ ہے۔ یہاں صرف ایک مثال لیجیے کہ "سیاست کرنا" کا محاورہ جس کا مفہوم سزا دینا اور سختی کرنا، وغیرہ، بیسویں صدی کے اوائل تک استعمال ہوتا رہا ہے، اِس متن میں موجود ہے۔ اِس محاورے کے اِن معنی میں استعمال کی پہلی سند ۱۶۰۹ء میں ملا وجہی کی قطب مشتری میں ملتی ہے۔[14] آج یہ محاورہ اپنا قدیم مفہوم کھو چکا ہے اور اب لفظی معنی میں یا کنایتہً معاملہ سازی، دانش مندی، ریشہ دوانی، جوڑ توڑ، تدبیر اور چالاکی سے اپنا مطلب نکالنے وغیرہ کے مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔ سرسید نے اِسے متعدد بار اُس مفہوم میں برتا ہے جو اُن کے دور میں چلن دار تھا۔ پار صدی کے اوائل تک سیاست کا لفظ ظلم، سختی اور سخت گیری وغیرہ کے معنی میں برتا جاتا تھا چنانچہ ہمارے ادبی و دیگر متون میں تراکیب سیاست گاہ کا معنی مجرموں کو سزا دینے کی جگہ اور قتل گاہ استعمال ہوا نظر آتا ہے، اور سیاست گرد کا معنی خونریز، ظالم، سفاک تونور اللغات اور جامع اللغات وغیرہ میں بھی لکھا ہے۔ ہر متن اپنی دنیا (Worldview) کے ساتھ مربوط ہوتا ہے، اور اسبابِ بغاوتِ ہند تو چونکہ ہے ہی تاریخی، سیاسی اور دفتری متن، چنانچہ اِس کی حیثیت اِس ضمن میں بالکل واضح ہے۔ اِس میں کئی الفاظ ایسے معنی اور سیاسی و جغرافیائی تناظر کو اوڑھے ہوئے ہیں جن کو آج بالکل ہی مختلف معنی و مفہوم میں لیا جاتا ہے۔ ایسا پہلا لفظ ہندوستان ہے۔

آج پاکستانیوں یا ہندوستانیوں کے نزدیک جس ملک یا ریاستی بندوبست کا نام ہندوستان ہے، سرسید کی اِس تحریر میں موجود ہندوستان سے مراد وہ ملک نہیں ہے۔ بہادر شاہ ظفر جس ہندوستان کا بادشاہ تھا، اُس میں پنجاب شامل ہی نہیں تھا۔ چنانچہ اِس متن میں سرسید جب پنجاب کو ملک کہتے ہیں تو اُن کی مراد سمجھ لینی چاہیے کہ وہ ایک مختلف عملداری (Country/ Territory) کی بات کر رہے ہیں (جسے کمپنی کی حکومت میں شامل ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور کھٹ پٹ چلتی رہتی ہے)۔ اِسی طرح وہ جب سارے ہندوستان کا ذکر کرتے ہیں تو اُس سے مراد سارا برِ عظیم نہیں ہوتا بلکہ اِس کی ۵۷۱ نوابی ریاستوں کا الگ الگ انتظامی بندوبست مراد ہوتا ہے (جن میں کی ایک دہلی بھی تھی)، یعنی وہ سب ریاستیں جو ۱۹۴۷ء

---

۱۲ سرسید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۹۷۔

۱۳ نسخۂ گراہم؛ ص-۱۳۔

۱۴ مولوی عبدالحق، **اردو لغت: تاریخی اصول پر** (کراچی: ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۹ء)۔

میں دو ملکوں میں ضم ہو کر اپنی جداگانہ شناختیں ختم کر چکیں۔ اِسی طرح جب وہ فساد اور سرکشی کے سارے ملک میں پھیل جانے کا ذکر کرتے ہیں تو اِس سے مراد صرف شورش زدہ علاقے ہوتے ہیں (جن کی تفصیل عام دستیاب ہے)۔ یاد رہے کہ اِن شورشی تفصیلات کے لیے صرف ساکھ دار علمی مآخذ پر انحصار کرنا چاہیے کیونکہ انگریز کے چلے جانے کے بعد اینٹ بھی اکھاڑیں تو نیچے سے فرخ تبار مجاہدینِ آزادی نکلنے لگتے ہیں، اور ایسا ہر ذرہ اپنی جگہ آفتاب ہوتا ہے جو نصف النہار پر دائماً قائم ہوتا ہے۔ اِسی طرح سرسید جب ہمارے گورنمنٹ کا ذکر کرتے ہیں تو اُس سے مراد ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنمنٹ ہاؤس کلکتہ یعنی گورنر جنرل کا راجدھان ہوتا ہے (جو بعد میں وائسرائے کا دفتر بن گیا)۔ نیز سرسید نے انڈیا کا لفظ صرف ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ لکھا ہے ورنہ وہ صرف اور صرف ہندوستان کا لفظ استعمال کرتے ہیں؛ بھارت کا لفظ بھی متن میں نہیں ہے۔

مذاہبِ عالم کی وحیاں اور شروتیاں، یعنی الہامی سامی (Semitic) مذاہب کی ہوں یا غیر الہامی آریائی (Aryan) مذاہب کی، اِن سب کے اسلوب میں مشترک بات یہ ہے کہ اِن میں مزاح کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، اور اِسی لیے اِن کو خدائی یا ملکوتی زبانیں (Divine or Angelic Languages) کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ مزاح کرنا خدا او خدانما سے بعید ہے۔ سرسید کے اسلوب میں چونکہ ایک خاص طرح کی گھن گرج ہے نیز اسبابِ بغاوتِ ہند میں تو مزاح کی گنجائش ہی نہ تھی، اور پھر یہ بائبل مقدس کے حوالوں سے بھی بھرپور ہے، اِس لیے اِس متن میں ایک گمبھیر سنجیدگی ہے۔ علاوہ ازیں سرکار دربار میں پیش کی جانے والی عرضی میں بھی صنائع بدائع اور لسانیاتی زور ازاری دکھانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ القصہ اسبابِ بغاوتِ ہند میں کوئی لسانی بازیگری نہیں ہے کیونکہ یہ ایک طرح سے سرکاری دستاویز ہے نہ کہ ادب پارہ۔ اِس کے باوجود اِس کنویں میں اِتنا ادبی و لسانی تیل ہے کہ جواب نہیں۔ باقی چھوڑیے، صرف اشعار کا استعمال دیکھ لیجیے۔ متن کا آغاز ایک فارسی قطعے سے ہوتا ہے۔ سارے متن میں سات شعر فارسی کے ہیں اور ایک عربی کا۔ سرکاری دستاویز میں بر محل اشعار بیند ھنا بے شک اعلیٰ درجے کی اور کمیاب ادبی لیاقت ہے۔ کچھ شعر لکھ کر اُن کے مطالب پر بات کرنا اِس تحریر کے مزاج کے منافی ہے اِس لیے صرف یہ عرض ہے کہ ہر شعر اپنی جگہ انگوٹھی میں نگینہ ہے، اور راقم اپنے اِس دعوے کی صرف ایک مثال یہاں پیش کرتا ہے۔ اگرچہ اسبابِ بغاوتِ ہند جغرافیائی و انتظامی حقائق کا اظہار یہ اور تجزیہ ہے جس کے بیان کے لیے ادبی لفظیات استعمال کی جائے تو اِسے "روحِ عصر سے بھرپور" کہہ کر تفنن بھی پیدا کیا جاسکتا ہے لیکن سمجھنے کی بات ہے کہ جس دور میں یہ حالات درپیش اور واقعات رونما ہو رہے تھے اُس کا غیر جذباتی اور انتہائی شماریاتی بنیاد پر مطالعہ جتنا اُس وقت ضروری تھا اُتنا ہی آج ہے۔ یہ بات خواہ کتنی ہی "غیر ادبی" لگے لیکن حقیقت ہے کہ ہمیشہ کی طرح اُس دور میں بھی طبقاتی و نسلی فرق ہی سب سے قیمتی اور چلن دار سکہ تھا۔ سرسید اِس سنگین زمینی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور مثلاً جب نوکریوں میں طبقاتی فرق والے حساس ترین موضوع کو چھیڑتے ہیں تو اپنا الاپ ایک عربی شعر سے اٹھاتے اور بائبل کے حوالے دیتے ہوئے مطلب پر آتے ہیں، یعنی اوپن میرٹ پر امتحانات کے نتیجے میں کم درجہ لوگوں کے معزز عہدوں پر جا براجنے پر تاسف۔ واضح رہے کہ نوکریوں میں طبقاتی فرق سرسید نے "پیدا" نہیں کیا تھا بلکہ کمپنیاتی مقتدرہ کی بھرتی پالیسی کا شاخسانہ تھا، اور جس پر ادب اور مذہب کی شکر کی دوہری تہہ چڑھا کر اُنھوں نے سفاک انگریز حکمران کے حلق سے اتارا ہے۔

راقم کا مطالعہ محدود ہے اور وہ ابھی تک کسی ایسی دستاویز تک نہیں پہنچ پایا جسے وہ اپنے اِس قدیم خیال کے لیے حتمی ثبوت کے طور پر پیش کر سکے کہ بھرتی پالیسی پر تنقید کر کے سرسید دراصل انگریز کو جنگجو نسل (Martial Race) پیدا کرنے کے خیال پر متنبہ کر رہے ہیں کیونکہ سول بھرتیوں میں ناانصافی نے بھی اُس آگ کو بھڑکانے میں ایندھن کا کام کیا تھا جو میرٹھ چھاؤنی میں بنگال لانسرز کی بغاوت سے شروع ہوئی تھی۔ انگریز کی فوجی بھرتی پالیسی کے اسقام پر تو سرسید نے پورا باب (بدانتظامی اور بے اہتمامی فوج کی) لکھ ڈالا ہے کیونکہ سرکشیِ عام کی آگ اِسی نافہمی اور عاقبت

ناانديشی سے پھیلی تھی۔ ڈاکٹر امبیڈکر (c۱۹۴۵:۲۰۵) نے بھی لکھا ہے کہ اکبر کے دور سے چلتے آتے اترپردیش، مدھیہ پردیش اور بہار وغیرہ سے روایتی طور پر فوج میں شامل ہونے والوں یعنی ''بھیا فوج'' کو ناقابلِ اعتبار باور کرا کے پنجاب اور پشتون علاقوں سے بھرتی کرنا اور انھیں فوج کے لیے بہتر گرداننے کی جعلی پالیسی انگریز نے غدر کے بعد رفتہ رفتہ بنائی تھی۔ نیز واضح رہے کہ سرسید نے اوپن میرٹ پر امتحانات کی ''مخالفت'' نہیں کی ہے۔ اُنھوں نے صاف لکھا ہے کہ ''...امتحان کا قاعدہ ہماری رائے میں کسی طرح قابلِ الزام کے نہیں اور نہ درحقیقت کسی کو اِس کا رنج ہے۔''۱۵

اسبابِ بغاوتِ ہند کے متن سے اُس افواہ کی حقیقت آشکار ہوتی ہے جو سرسید پر لڑکیوں کی تعلیم کے حوالے سے چسپاں کر دی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ لوگ ادھوری معلومات یا پہلے سے سوچے ہوئے کسی نتیجے کو ثابت کرنے کے لیے اندھی تنقید کرنے میں سہولت محسوس کرتے ہیں۔ اِس متن میں بالتکرار اِس قسم کے خیالات ملتے ہیں کہ ''... مشنری سکول کھولے گئے اور اُن میں مذہبی تعلیم شروع ہوئی اور لڑکیوں کو داخلے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا۔ سب لوگ کہتے تھے کہ یہ سرکار کی طرف سے ہیں۔... کمسن لڑکوں سے امتحاناً سوال پوچھے جاتے کہ تمھارا خدا کون اور تمھارا نجات دینے والا کون، تو اگر وہ عیسائی مذہب کے مطابق جواب دیتے تو اُنھیں انعام دیا جاتا''، اور یہ سوال جواب کرنے کے لیے ''بہت بڑے بڑے عالی قدر حکام متعہّد، فوجی اور کالے پادری ساتھ ہوتے''۔۱۶اور یہ بھی معلوم ہے کہ نوجوان گورنر جنرلانی (بعد ازاں وائسرانی) لیڈی شارلیٹ کیننگ (Charlotte Canning) کو، جو ملکہ وکٹوریہ کی خاص سہیلی تھی، بطورِ خاص اِن ہدایات کے ساتھ ہندوستان بھیجا گیا تھا کہ وہ جائز ناجائز ہر طریقے سے ہندوستانی عورتوں کو مسیحیانے کا کام کرے(Kaye:۳۴۶)۔ چنانچہ اسبابِ بغاوتِ ہند میں سرسید نے جب یہ لکھا کہ:

> ''... سب یقین جانتے تھے کہ سرکار کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیاں سکولوں میں آئیں اور تعلیم پائیں اور بے پردہ ہو جائیں، کہ یہ بات حد سے زیادہ ہندوستانیوں کو ناگوار تھی۔ بعض بعض اضلاع میں اِس کا نمونہ قائم ہو گیا تھا۔ پرگنہ وزیٹر اور ڈپٹی انسپکٹر یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم سعی کر کر لڑکیوں کے مکتب قائم کر دیں گے تو ہماری بڑی نیک نامی گورنمنٹ میں ہو گی۔ اِس سبب سے وہ ہر طرح پر بطریقِ جائز و ناجائز لوگوں کو واسطے قائم کرنے لڑکیوں کے مکتبوں کے فہمائش کرتے تھے۔''۱۷

تو رعایا کی دھرم پلٹی کی سنجیدہ حکومتی کوششوں اور اُن سے پیدا ہونے والی کشاکش کا یہ پس منظر پوری ہولناکی کے ساتھ الم نشرح ہو جاتا ہے۔ کمپنیاتی مقتدرہ کے اپنی ضرورت و پسند کا مذہب پھیلانے کے طریقِ کار پر سرسید نے کھل کے بات کی ہے جسے ''اصلِ اوّل'' کے آغاز میں دیکھ لیا جائے۔ خوب سمجھنے کی بات ہے کہ یہاں سرسید ہندوستانیوں یعنی ہندو مسلم دونوں قوموں کی بات کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ دونوں قوموں کو (اُس نظامِ تعلیم پر نہیں بلکہ) موادِ تعلیم پر شدید مذہبی تحفظات تھے جو اُن دنوں سرکارِ کمپنیہ کی جانب سے لڑکیوں کے ذہنوں میں انڈیلا جا رہا تھا، چنانچہ وہ اِن لڑکیوں کی ماؤں اور باپوں کے درد کو محسوس کرتے ہوئے لڑکیوں کو گھر پہ تعلیم دلانے یعنی سکول بھیجنے کے بجائے اتالیق سسٹم کی بات کر رہے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اِس قسم کی تربیت والی لڑکیاں کل کو جب مائیں بنیں گی تو کس قسم کا معاشرہ تخلیق کریں گی، چنانچہ اُن دنوں لڑکیوں کو سکولی تعلیم سے روکنا بھی قوم ہی کے فائدے کے لیے تھا۔ سرسید اور بعضے دیگر ہمدردانِ قوم کے توجہ دلانے پر کچھ عرصہ بعد جب سرکارِ انگلشیہ نے

---

۱۵ سرسید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۱۴۸۔

۱۶ سرسید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۱۱۷۔

۱۷ سرسید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۱۱۸۔

سکولوں میں تعلیمِ مذہب کو ہر مذہب والوں کے لیے الگ الگ کر دیا تو یہ اعتراض جاتا رہا۔ چنانچہ سر سید کا وہ مشہور مقولہ جسے سیاق سباق سے کاٹ کر نقل کر دیا جاتا ہے، میرا مطلب اِس مقولے سے ہے: ''میری یہ خواہش نہیں ہے کہ تم اُن مقدس کتابوں کے بدلے جو تمھاری دادیاں نانیاں پڑھتی آئی ہیں، اِس زمانہ کی مروّجہ نامبارک کتابوں کا پڑھنا اختیار کرو۔'' کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کن کتابوں کو مقدس اور کن کو نامبارک کہہ رہے ہیں۔ نیز یہ کہ ہر عورت ہی نہیں ہر انسان کو بھی ہر تعلیم نہیں دی جاسکتی کیونکہ سب کی ذہنی سطح، سماجی ضرورتیں اور تعلیم پر خرچ کی استطاعتیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ ذہین بچوں کو بے شک زیادہ مواقع ملنے چاہییں تاہم میٹرک تک کی تعلیم لازمی ہونی چاہیے۔ سر سید اپنے زمانے کے حساب سے مناسب تعلیم سے بالکل نہیں روک رہے۔

تاہم سر سید کی ۲۸/ جنوری ۱۸۸۴ء کو گورداسپور میں کی جانے والی ''تقریر بہ جواب ایڈریس خاتونانِ پنجاب'' نہایت اہم ہے جس میں وہ ہندو اور عیسائی عورتوں سے بھی مخاطب ہوئے؛ نیز ۲۹/ دسمبر ۱۸۸۸ء کی لاہور والی تقریر بھی ضرور دیکھ لینی چاہیے جس میں اِس رسالے کی اشاعت کے ۳۰ سال بعد اُن کے خیالات تحریر ہیں۔

بالوضاحت عرض ہے کہ مرد کی تعلیم ایک فرد کی تعلیم ہے اور عورت کی تعلیم ایک نسل کی تعلیم۔ سرکارِ کمپنیہ اور ازاں بعد سرکارِ انگلشیہ ادوار کی نسائی تعلیمی پالیسی کی بابت سر سید کے خیالات کی بنیاد یہی حقیقت ہے۔ عام دیکھے کی بات ہے کہ ادھ ننگی بچیوں کی ماں جسمانی نہ سہی مگر ذہنی لحاظ سے ادھ ننگی ہی ہوتی ہے؛ مرد خواہ بچوں کے آگے پیچھے بندر ناچ ناچتا پھرے، ماں انسان ہے تو بچے بھی انسان ہی بنیں گے۔ نسلوں پر عورت کے اِسی تاثر کے سبب اُس کی تعلیم و تربیت کی پرکھ اور معیار ضروری ہے۔ الغرض سر سید کے نسائی تعلیم کے حوالے سے تحفظات مخصوص ماحول و دورانیے سے متعلق تھے جن کا اطلاق کل پر کر کے اُنھیں الزامات و اعتراضات کی زد پر نہیں رکھا جا سکتا۔

نیز اِسی طرح یہ بھی واضح ہوا کہ سر سید کو نظامِ تعلیم یعنی سکولوں پر نہیں بلکہ موادِ تعلیم پر تحفظات تھے۔ موادِ تعلیم کی بہتری اور اُسے اپنی ثقافت میں قابلِ قبول بنانے کے لیے جو محنت ہوتی رہی، سر سید خود اُس میں قائدانہ اور عملی کردار ادا کرتے رہے۔ سکولوں کو ختم کرانا یا سکولوں کو مدرسی یا پاٹھ شالائی تعلیم گاہوں کے مقابل لا کر اُنھیں موردِ الزام ٹھہرانے کا کوئی عندیہ سر سید کے اسبابِ بغاوتِ ہند سمیت کسی متن میں نہیں ملتا۔ تعلیمِ نسواں کی بابت سر سید کے خیالات والی بات لمبی ہو رہی ہے لیکن اِسے سمیٹتے ہوئے راقم مسافرانِ لندن سے دو باتوں کا مجمل تذکرہ ضروری سمجھتا ہے۔ انگلستان کی خواندگی میں عورتوں کی بات کرتے ہوئے سر سید نے لکھا ہے کہ اُن کے مکان پر آنے والی نوکرانی پچھلے ہفتے کے اخبارات لے جاتی ہے اور جو وقت فارغ ملتا ہے اُس میں کتاب یا رسالہ پڑھتی ہے، اور مردوں کی بابت لکھا کہ کسی رئیس سے ملاقات کو گئے تو واپسی پر دیکھا کہ کوچوان رسالہ پڑھ رہا ہے جس نے اُنھیں دیکھتے ہی رسالہ سیٹ کے نیچے اُڑس لیا۔ اِس پر وہ بٹیر بازی میں لگے ہوئے ہندوستانیوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ پڑھو پڑھو۔ چنانچہ سر سید اسبابِ بغاوتِ ہند میں جب ہندوستانیوں کو ''نہایت جاہل ہیں اور بے ترتیب'' لکھتے ہیں تو اصل میں یہ اُسی دکھ کا اظہار ہے جو گیارہ برس بعد سفرِ لندن کے واقعات میں بھی ہو رہا ہے۔ لیجیے تعلیم اور تعلیمِ نسواں والا تذکرہ یہاں مکمل ہوتا ہے۔ لکھنے کی زبان اور ہوتی ہے اور بولنے کی اور، اور یہ حدود زبان کا روزمرہ اور لغاتِ سماعیہ (Collocations) طے کرتے ہیں۔ رسمی اور غیر رسمی زبان میں ہر انسان ہر موقع پر از خود فرق کرتا جاتا ہے۔ مثلاً ایک ہی وقت اور ایک ہی جگہ اور ایک ہی مشین سے لکھے طبیعت کی خرابی کی اطلاع کے پیغام کا متن دفتر میں اپنے افسر کے لیے مختلف ہوگا اور اپنے/ اپنی شریکِ حیات کے لیے مختلف اور والدین یا اولاد کے لیے بھی مختلف۔ غیر رسمی زبان بے تکلف بولی سے قریب ہوتی ہے۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کے متن میں یہ فرق واضح محسوس ہوتا ہے۔

مثال لیجیے کہ ذیلی سرخیاں چونکہ صرف انگریزی جاننے والے افسرانِ پارلیمان کے لیے ہیں اِس لیے وہ انتہائی رسمی(Formal)زبان میں ہیں جب کہ اردو متن چونکہ اردو جاننے والا انگریز نیز مقامی/دیسی/بازاری وغیرہ(Vernacular) سبھی لوگ پڑھ سکتے تھے اِس لیے یہ نسبتاً کم شدت والی رسمی زبان میں لکھا ہے۔ صرف ایک مثال سے یہ نکتہ واضح کرتا ہوں۔ اِس متن میں دِلّی کا لفظ ۲۶ بار لکھا ہے اور دہلی صرف ایک بار(اور وہ بھی ذیلی سرخی میں)، جب کہ انگریزی میں یہ لفظ پانچ مرتبہ ہے اور رسمی یعنی درست ہجوں کے ساتھ لکھا ہے۔ چنانچہ جو متن انگریز حاکم کی نگاہ سے گزرنا تھا وہ انتہائی رسمی لفظیات اور مکمل ہجوں کے ساتھ لکھا گیا ہے جب کہ اردو متن میں روزمرے کا خیال رکھا گیا ہے۔ تاہم واضح رہے کہ اصلاً مسیحی افسران کے لیے لکھے اِس متن میں کرانی اردو(Christian Urdu)کا ایک بھی نمونہ نہیں ملتا۔ سرسید سے فارسی، عربی اور اردو قواعد میں بھول چوک ہونا بعید از قیاس ہے تاہم اردو کو آسان بنانے کے لیے اُن کی کاوشوں کا اِجراء اِس متن میں بھی نظر آتا ہے۔ وہ نہ صرف بھاری بھر کم الفاظ والی بلغ العلائی اردو نہیں لکھتے بلکہ پنجابی تلفظ بھی لکھ دیتے ہیں جیسے ریلوہ سڑک اور عوامی تلفظ بھی جیسے گھانس (گھاس)، اور اپنے دور کے روزمرے کے مطابق لفظوں کی عوامی تصریفات اور قواعدی صورتیں بھی استعمال کر لیتے ہیں جیسے سبب کی جمع سببوں، روز کی جمع روزوں (مسلمانوں کا بہت روزوں سے آپس میں سازش اور مشورہ کرنا)، صاحبوں، ضلعوں، فسادوں، اور اِسی طرح ڈگریوں(Decree)، وغیرہ۔

سرسید پنجابی کے لفظ ہی نہیں پنجابی کا روزمرہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اِس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ اسٹامپ (Stamp paper)کا ذکر کرتے ہوئے اُنھوں نے لکھا ہے کہ ''اسٹامپ کا جاری ہونا بالکل ایک ولایتی پیداوار ملک کا قاعدہ ہے جہاں زمین کی آمدنی گویا کہ نہیں لی جاتی''[18]، مراد یہ کہ ایسے ملک کا قاعدہ ہے جہاں پیداواری محصولات لینے کا مختلف طریقہ دائر و سائر ہے۔ لفظ پیداوار کو اِس انداز میں برتنا پنجاب کا خالص روزمرہ ہے۔ روزمرے کا استعمال زبان بناتا ہے ورنہ لفظ تو موقع کی مناسبت سے کسی بھی غیر زبان کے استعمال ہو سکتے ہیں، جنھیں آسانی کے لیے دخیل لفظ(Borrowed) کہہ لیجیے۔ فائزہ بٹ(۲۰۱۷ء) نے بالکل درست لکھا ہے کہ۔

> ''...اِس میں شبہ نہیں کہ ادیبوں اور شاعروں کو زبان کا مزاج داں مانا جاتا ہے اور زبان کو قبولیت کی سند اُنھیں کی تحریروں سے حاصل ہوتی ہے مگر اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ عام بول چال کی زبان ہی کو ''اصل زبان'' کا درجہ حاصل ہے، اِسی سبب [سے] جدید ماہرینِ لسانیات بھی زبان کے مطالعے میں سب سے زیادہ اہمیت روزمرہ بولی جانے والی زبان ہی کو دیتے ہیں اور اِسی روپ کو زبان کا اصل روپ مانتے ہیں۔''۱۹

سرسید کے لسانی مزاج میں روزمرے کا استعمال رچا بسا ہے جس کا سماؤ تاریخِ سرکشیِ بجنور میں اسبابِ بغاوتِ ہند کی نسبت زیادہ ہے تاہم اسبابِ بغاوتِ ہند میں بھی وہ دفتری، عدالتی اور فوجی سلینگ استعمال کرتے ہیں، اور پنجابی کا روزمرہ بھی اِس انداز میں برت لیتے ہیں کہ لسانی دوئیت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ یہ درست ہے کہ ڈاکٹر لائٹنر (Wilhelm Leitner) کا ۲۱/ جنوری ۱۸۶۵ء کو لاہور میں ''انجمنِ اشاعتِ مطالبِ مفیدہ پنجاب'' قائم کرنے میں سرگرم کردار ادا کرنا اور سرسید کا ۲۷/ دسمبر ۱۸۸۹ء کو علی گڑھ میں ''تقریر متعلق تاریخ مدرسۃ العلوم مسلمانان'' کرتے ہوئے پنجاب کے بزرگوں کو ''زندہ دل'' کا خطاب دینا وغیرہ جیسے اقدامات اسبابِ بغاوتِ ہند سے کافی بعد کی باتیں ہیں لیکن اُن کے سیکولر

---

۱۸ سرسید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۱۳۰۔

۱۹ فائزہ بٹ، ڈاکٹر، **اردو میں لسانی تحقیق** (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکادمی، ۲۰۱۷ء)، ۳۳۶۔

(روادارانہ) لسانی شعور میں اِن کی چاپ برسوں پہلے اِس رسالے میں بھی سنی جا رہی ہے۔ یہ رسالہ لکھتے وقت سر سید یہی ذہن رکھتے تھے کہ دہلی کو شمالی اضلاع سے نکال کر پنجاب میں داخل کرنا اہلِ دہلی کو غدر کے بعد دی جانے والی سزاؤں میں سے ایک سزا ہے تاہم اہلِ پنجاب نے تعلیمی میدان میں اُن کے مقاصد میں دامے درمے سخنے شریک ہو کر اُن کی قلب ماہیئت کر دی۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ سر سید نے پورے متن میں ایک بھی انگریزی لفظ رومن حروف میں نہیں لکھا بلکہ تمام انگریزی الفاظ اردو کی ہند فارِبی لکھاوٹ (Indo-Perso-Arabic) ہی میں لکھے ہیں۔ انگریزی کے بارے میں اُن کے خیالات خوب معلوم ہیں لیکن اردو تحریر میں اردوئیت کے آبگینے کا اِس انداز میں خیال رکھنا خوش ذوقی ہی نہیں لسانی غیرت کا بھی مظہر ہے۔ بلکہ یہ بات بھی یہاں بے محل نہ ہو گی جو حالی نے اُن کے حوالے سے انگریزی کو فارسی/اردو حروف میں لکھنے نیز ترجمہ کرنے (Transliteration & Translation) کا ذکر کرتے ہوئے کہی ہے:

> "... سر سید... غیر معمولی لیاقت... باوجود انگریزی نہ جاننے کے... [وائسرائے] کونسل میں اسپیچ کرتے تھے۔ اکثر چھوٹی چھوٹی اسپیچیں وہ اوّل خود اردو میں لکھ کر اُن کا انگریزی میں ترجمہ کراتے تھے اور پھر انگریزی الفاظ کو فارسی حرفوں میں لکھ کر خود کونسل میں اسپیچ دیتے تھے... اُن کی ایک اسپیچ پر جو فارسی حرفوں میں لکھ کر دی تھی، لارڈ لٹن نے بڑا تعجب ظاہر کیا تھا... کہ میں نے ایسی قابلانہ اسپیچ کبھی نہیں سنی تھی..." [۲۰]

تحریر کی انگریزیت والے موضوع سے متعلق ایک نکتہ یہ ہے کہ الفاظ کو ترکیب دینے میں سر سید اردو کی لسانی آزادی کے قائل ہیں اور وہ انگریزی اور اردو الفاظ کو باہم ترکیب دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ یہ تراکیب پورے متن میں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ دراصل اُن کی اِس عادت کو بھی بول چال کی زبان کے بے دھڑک لکھنے کا حصہ سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ لکھنے کی زبان بولنے کی زبان سے بہت مختلف اور رسمی ہوتی ہے لیکن سر سید نے اِس رکاوٹ کو توڑنے میں بہت کام کیا ہے جو اِس متن بھی واضح معلوم ہوتا ہے۔ اگلی بات یہ ہے کہ اسبابِ بغاوتِ ہند میں ایک بھی قمری/ہجری تاریخ یا سال نہیں لکھا حالانکہ اُس دور کے اردو متون میں اِسی کا چلن تھا، یہاں تک کہ انگریز بھی اِس نظامِ تواریخ کو بے تکلف استعمال کرتے تھے۔ یہ ترتیب اختیار کرنا سر سید کے سماجی لسانیات کی حرکیات سے آگاہی اور زبان کے چلن کے رخ سے باخبر، مستقبلیت آسا سوچ رکھنے کی علامت ہے۔ اسلوب کے ضمن میں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ چونکہ اسبابِ بغاوتِ ہند اُس دور میں لکھا گیا تھا جب انگریز نے رعایا کے مذہبی عقائد سے چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے عوام کی بدترین بدکاہٹ کا مزہ چکھا تھا اور وہ اسلام کے تو محض نام ہی سے متوحش ہو گیا تھا اِس لیے سر سید نے نہایت اعلیٰ درجے کی نفسیات دانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورے رسالے میں سوائے ابتدائی رسمی بسملہ کے، قرآن یا پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کا ایک بھی حوالہ نہیں دیا بلکہ اسلام کا لفظ تک نہیں لکھا؛ اور چونکہ رسالے کا مخاطب مجمع صرف اور صرف اعلیٰ مناصب پر فائز مسیحی لوگ تھے اِس لیے جا بجا بائبل مقدس، حضرت مسیح علیہ السلام اور اُن کے بعض سر کردہ حواریوں کے حوالے دیے ہیں۔ رسالے کے ٹائٹل پر بھی میتھیو کے پانچویں باب کی سولھویں آیت لکھی ہے۔ احتیاط کی حد یہ ہے کہ کسی کتاب کا بھی نام لیا تو فرانسس بیکن کی Essays کا، کہ یہی اِس رسالے کے قاری کے مناسب تھا۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کے متن پر ایک دبیز مذہبی کہر چھائی محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ جاننے کے لیے ذرا دیر کو انگلستان جانا پڑے گا۔

---

۲۰ حالی، خواجہ الطاف حسین، **حیاتِ جاوید**، (لاہور: اردو اکیڈمی پاکستان، ۲۰۲۰ء)، ۲۷۶۔

اُن دنوں ہندوستان میں فوجی بغاوتوں اور عوامی سرکشیوں کی وجہ سے چونکہ انگریز کو لوہے لگے ہوئے تھے اور کسی بھی وقت اُس کا دھڑن تختہ ہو سکتا تھا اِس لیے انگریز حاکم بہت مذہبی ہوئے ہوئے تھے، اور نہ صرف حکمران بلکہ برطانوی رعایا بھی بغاوتوں کو ''خدائی عذاب'' سمجھتی تھی۔ برطانیہ میں اُس وقت پامرسٹن (John Temple Palmerston) وزیرِ اعظم تھا جس کی حکومت نے ۷/اکتوبر ۱۸۵۷ء کو قومی دن برائے بندگی، صوم و دعا (National Humiliation, Fasting and Prayer Day) منایا اور ہزاروں لوگوں نے گرجا گھروں میں جا کر عبادات و دعا کی۔ یہ دن منانے کی خبریں ہندوستان پہنچتی رہیں اور یہاں کی مسیحی اقلیت میں بھی دعا و خدا رسیدگی کا ایک ماحول بنا رہا۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء میں جب فتح ہو گئی تو برطانیہ میں اِسے انڈیا کے ''کفار'' (heathens) کے خلاف ''خدائی مداخلت'' کا نام دیا گیا۔ یہ وہ تناظر تھا جس میں سرسید نے اسبابِ بغاوتِ ہند لکھا، چنانچہ اِس متن کی عمومی فضا مذہب مرکز ہے۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کے متن کی بعض جہات کے مطالعے کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ بعض عوامل کی بنیاد پر سرسید کے اسلوب کو فدویانہ یا معذرت خواہانہ کہہ دیا جاتا ہے، اور کئی لوگ اِس سنی سنائی پر یقین بھی کر لیتے ہیں۔ یہاں دو مثالیں پیش ہیں کہ طالب علموں کی غلط فہمی دور ہو جائے۔ اسبابِ سرکشیِ ہندوستان کا چوتھا سبب بتاتے ہوئے سرسید لکھتے ہیں: ''جو مراتب کہ ہم اِس مقام پر لکھتے ہیں گو وہ ہمارے بعض حکام کے ناگوارِ طبع ہوں مگر ہم کو سچ لکھنا اور دل کھول کر کہنا اِس مقام پر بہت ضرور ہے۔...''[۲۱]

اِس کے بعد پورا باب شکایات کا ہے! اِسی طرح جب وہ کمپنی حکومت کے افسران کی نااہلیوں کی فہرست بتاتے ہیں تو آئینِ اکبری کا حوالہ دیے بغیر لقمہ نہیں توڑتے چنانچہ انگریز کو باور کراتے ہیں کہ تم سے پہلے یہاں کامیاب بادشاہ گزرے ہیں! اکبر کا حوالہ سرسید نے جگہ جگہ دیا ہے۔ ہمیں آج اِس حوالے کی اہمیت کا علم نہیں ہے ورنہ یہ اُس سے پوچھیے جس کو سنائی جا رہی تھی! القصہ بات حق ہوتی ہے لیکن لہجہ کڑوا ہوتا ہے جس کی وجہ سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ سرسید نے پانچ کے پانچ قصور انگریز حاکم کے نکالے ہیں اور اُسے قصوروار ثابت کرنے کے لیے اُسی کی عملداری سے ثبوت دیے ہیں البتہ فحوائے کلام ایسا شائستہ رکھا ہے کہ کہیں ناگوارا نہیں ہوتا۔ واضح بات ہے کہ سرسید کے سامنے دو راستے تھے: پہلا یہ کہ یا تو نفرت پھیلاتے یا بقولِ خود بسم اللہ کے گنبد میں بند ہو کر بیٹھ رہتے، دوسرے یہ کہ سمجھداری سے حاکم کے ساتھ کام کرنے کا کوئی راستہ نکالتے۔ چنانچہ اُنھوں نے خود کش حملہ کرنے کے بجائے اور اپنی قومی حمیت کو بٹہ لگائے بغیر دوسرے راستے کا انتخاب کیا۔

انگریز کو نصیحت کرنے میں اُنھوں نے مسلمانوں اور مسیحیوں کی مذہبی تعلیمات کے اشتراکات کو موضوع بنایا اور اپنی بات کو اعلیٰ درجے کے لسانی شعور کے ساتھ ادبی پیرائے میں بیان کیا۔ یہی اسبابِ بغاوتِ ہند کا کم و کاست ہے۔ نیز یاد رہے کہ سرسید نے اسبابِ بغاوتِ ہند کی سیکڑوں جلدیں برطانوی ارکانِ پارلیمنٹ کو اِس لیے بھیجی تھیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری ختم ہونے اور تاجِ برطانیہ کی حکومت قائم ہونے پر ہندوستان کے آئندہ امورات کا تعلق پارلیمنٹ یعنی عوامی نمائندوں سے ہوناتھا (جو پہلے صرف کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز سے ہوا کرتا تھا)، چنانچہ اُنھوں نے نہایت بیدار مغزی سے کام لیتے ہوئے اِس رسالے کو برطانوی ارکانِ پارلیمنٹ سے براہِ راست تعلق استوار کرنے کے موقع میں بدلا۔ وہ غالباً پہلے ہندوستانی مسلمان ہیں جس نے پوری برطانوی پارلیمان میں رسوخ حاصل کیا۔

---

۲۱ سرسید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، ۱۴۰۔

اب اسبابِ بغاوتِ ہند کی تدوینِ متن کے لیے اختیار کیے گئے طریقِ کار کے بارے میں کچھ عرض معروض۔ لیکن اِس سے پہلے یہ اعتراف کہ راقم اُس شخص کے متن کی درستی کی بات کر رہا ہے جس کا نام سر سید احمد خاں ہے اور جس نے آئینِ اکبری کا متن درست کیا تھا۔ کسی کو یہ بات سمجھ نہ آئی ہو تو حیاتِ جاوید کے وہ پانچ صفحات پڑھے جن میں حالی نے سر سید کا تصحیحِ متن کا آرٹ اور کرافٹ (انداز اور طریقہ) بیان کیا ہے۔ راقم کو یہ کہنے میں باک نہیں کہ سب مصححینِ اردو متون، سمیت رشید حسن خاں کے، سر سید کے آگے پانی بھرتے ہیں۔ اردو و فارسی میں تصحیحِ متن کا کوئی مثالی نمونہ دیکھنا ہو تو آئینِ اکبری کو دیکھیے اور داد دیجیے کہ یہ متن اُس وقت درست کیا گیا تھا جب کتابیں "نقل" کی جاتی تھیں اور ہر نقل میں ناقل کی اور ہر کتابت میں کاتب کی کاریگریاں ہوتی تھیں، اور "درست" نسخہ ہوتا ہی نہ تھا بلکہ زیادہ سے زیادہ کوئی "بہتر" نسخہ مل پاتا تھا جسے ڈھونڈنا ہی ہفت خواں طے کرنا ہوتا تھا۔ صحیح نسخہ ملے تو متن درست ہو! الغرض سر سید کلاسیکل دستاویزات کی تصحیحِ متن کرنے والے اُن اوّلین لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے ٹائپ کے حروف اور لیٹر پریس پرنٹنگ کے آغاز کے دنوں میں یہ کام کیا۔ اسبابِ بغاوتِ ہند کے نسخۂ لندن کی تدوین و تصحیحِ متن کے بارے میں پہلی اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اِس تدوینِ متن کا مقصد آج کے قاری کے لیے سہولت کاری ہے۔ چنانچہ فرموں میں کمپوزیٹر کی بھول چوک کی درستی، املائی اغلاط کی درستی اور مروّج املا میں ڈھلائی سے ضرور سروکار رکھا گیا ہے تاہم سر سید کے اسلوب و زبان یعنی محاورے، روزمرے اور لغاتِ سماعیہ کو بالکل نہیں چھیڑا گیا۔

یہ وہ جولاں گاہ ہے جس میں ہر مصححِ متن نے اپنے اپنے ذوق اور دور کے مطابق، بیشتر، خوب غدر مچایا ہے۔ حد یہ ہے کہ بعضے مصححینِ متن نے سر سید کے جملوں کے جملے بدل ڈالے ہیں اور کسی ایک نے بھی کہیں [کذا] یا [sic] نہیں لکھا حالانکہ یہ تدوینِ متن کی ابتث ہے۔ یہ اصول بالکل واضح رہنا چاہیے کہ سر سید کی زبان تراشنے کا حق ہم میں سے کسی کو نہیں ہے، کسے باشد! چنانچہ نسخۂ لندن میں املا کی جو بھی صورت ہے وہ سر سید کی نگاہ سے باقاعدہ گزری ہے اور جہاں جو تبدیلی اُنھوں نے کمپوزیٹر سے کرائی ہے وہ کی گئی ہے بخلاف کتابت کے جس میں کاتب کا سوادِ املا چلتا ہے اور وہ جو املا لکھ دے اُسے بدلنا ممکن نہیں ہوتا۔ بایں وجہ میں ٹائپ کے حروف کی طباعت کو منشائے مصنف سے زیادہ قریب سمجھتا ہوں۔ کاتب کے املا کو مصنف کا املا یا منشائے مصنف سمجھ لینا کسی طور درست نہیں۔ جنابِ رشید حسن خاں بھی کچھ ایسا ہی کہتے ہیں۔ کتابت میں اردو ادب کی پہلی اور آخری کتابیں جن کی لکھاوٹ کا ڈھنگ منشائے مصنف والا ہے، یوسفی صاحب کی ہیں۔ زرگزشت کا پہلا ایڈیشن (اپریل ۱۹۷۶ء) بطور مثال دیکھ لیجیے جس کے ابتدائیے میں اُنھوں نے محمد شفیق شفق رقم کی کتابت کی واردات کی تفصیل لکھی ہے۔

عملی انسان ہونے کے ناتے سر سید لکھنے کے ساتھ ساتھ طباعتی و اشاعتی ضرورتوں سے آگاہ اور جمالیاتی ذوق سے مالا مال تھے چنانچہ نسخۂ لندن میں اُنھوں تفصیلی Index to Contents دینے کے ساتھ ساتھ تمام ذیلی سرخیاں اردو اور انگریزی میں طبع کرائیں تاکہ متلاشی نگاہ فوراً مطلب کے لفظ پر پڑ جائے۔ تاہم نسخۂ صفوان میں موجود نسخۂ لندن کے اصل عکس اور انگریزی ترجمہ بطورِ ضمیمہ شامل ہونے کی وجہ سے اب اِن کی ضرورت نہیں رہی اور ان کی جگہ عام رواج کے مطابق اردو سرخیاں ہی لگائی گئی ہیں۔ سر سید نے ذیلی سرخیوں میں بائبل مقدس کے بعض حوالے بھی لکھے ہیں لیکن چونکہ اُن کو متذکرۂ بالا انڈیکس میں ذکر نہیں کیا اِس لیے یہاں بھی اُن کو بطور ذیلی سرخی نہیں لگایا گیا۔ یاد رہے کہ نسخۂ لندن میں موجود بغلی کالم میں ذیلی سرخیاں لگانے کا یہ انداز انگریزی ٹائپ ہی سے اردو میں آیا ہے اور اسبابِ بغاوتِ ہند لیٹر پریس پرنٹنگ میں اردو کی اوّلین کتابوں میں سے ہے جس میں یہ طرز استعمال کی گئی ہے۔ بغلی کالم میں ذیلی سرخیاں لگانے کا یہ انداز اُس دور کی سنجیدہ رسمی دستی تحریروں میں بھی نظر آتا ہے۔ مثال کے لیے نسخۂ قریشی میں صفحہ ۲۰ پر An Essay on the Causes of the Indian Revolt کا

Facsimile دیکھ لیجیے۔ انگریزی حروف کو اردو لکھاوٹ میں ڈھالتے وقت نقلِ حرفی و صوتی (Transliteration & Transcription) کرتے ہوئے سرسید نے خالص برطانوی تلفظ و صوت لکھنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم یہاں ایسے تمام الفاظ کو آج کے مروّج املا میں لکھا گیا ہے مثلاً گورمنٹ کی جگہ گورنمنٹ، کاتھلک کی جگہ کیتھولک، میگھ زین کی جگہ میگزین، لیجس لیٹف کی جگہ لیجسلیٹو، فلوزوفی کی جگہ فلاسفی، کرشٹان کی جگہ کرسٹان، آکلنڈ کی جگہ آکلینڈ، الن براکی جگہ ایلن برا، سارٹیفکٹ کی جگہ سرٹیفکیٹ، لفٹنٹ کی جگہ لفٹننٹ، وغیرہ۔

اِن الفاظ کی تفصیل کے بجائے صرف ایک اصولی بات عرض ہے کہ سرسید انگریزی الفاظ کی نقلِ حرفی کرتے ہوئے حروفِ علت کو گرا دیتے ہیں (مثلاً لیفٹیننٹ کے لفظ کو دونوں یاؤں کے بغیر لکھتے ہیں) تاہم حروفِ صحیحہ کو مکمل لکھتے ہیں؛ راقم نے بھی یہی کیا ہے، لیکن سرسید کے لفٹنٹ کو دو نونوں کے ساتھ لکھا ہے کیونکہ یہ حروفِ صحیحہ ہیں جب کہ متن میں یہ سہوِ کمپوزیٹر ہے۔ نیز اِسی طرح مثلاً شنسکرت کو سنسکرت سے بدلا ہے کیونکہ اب یہی املا چلن میں ہے۔ البتہ بعض الفاظ اور اُن کے املا کو اِس لیے تبدیل نہیں کیا گیا کہ اُن کی سند اردو لغت (تاریخی اصول پر) میں دی گئی ہے، مثلاً بیوستھا کا املا بیوستہ لکھا ہوا ہے۔ اِسی طرح تمغے کا درست املا تمغہ لکھا ہے جسے تبدیل نہیں کیا گیا گو آج یہ چلن میں نہیں ہے۔ ایسے تمام ضروری لفظوں کی نشان دِہی متعلقہ جگہ پر فٹ نوٹ یا فرہنگ میں کر دی گئی ہے۔ بہت سے لفظوں کے املا میں دورنگی ہے۔ ایسے لفظوں میں سے جس کو سرسید نے نمایاں کر کے لکھا ہے یہاں اُسے اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً سکول کا املا الف کے بغیر بھی ہے اور الف کے ساتھ بھی، لیکن چونکہ بغلی کالمی سرخی میں یہ تکرار سکول ہی لکھا ہے اِس لیے سارے متن میں اِسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ بھی متبادر ہو گیا کہ سرسید سکونِ اوّل والے الفاظ کے شروع میں اضافی الف لکھنے بولنے کے قائل نہیں ہیں۔ تاہم جن الفاظ کا دورنگا املا آج یکرنگ ہو چکا ہے وہ اگر بہ تکرار ملتا ہے تو بھی اُسے آج کے چلن کے مطابق لکھا گیا ہے۔ ایک مثال لیجیے کہ سرسید نے اجرا کو بہ تکرار اجرائے لکھا ہے؛ یہاں اِسے مروّج املا سے بدلا گیا ہے۔

بہت سے الفاظ منفصل کر کے لکھے گئے ہیں جیسے نرکہنا (نہ رکھنا)، ایکمدت (ایک مدت)، ایکھی (ایک ہی)، کرنیکو (کرنے کو)، سرکشیکا (سرکشی کا)، دنرات (دن رات)، نرھے (نہ رہے)، جسپر (جس پر)، نلکھی (نہ لکھی)، بندوبستونکی (بندوبستوں کی)، بیقابو (بے قابو) وغیرہ وغیرہ۔ یہ بہت لمبی فہرست ہے۔ اِسی طرح بنسبت، بتعلق، بذلت، ذیعزت، وغیرہ بھی الگ الگ لکھے گئے ہیں۔ تاہم ایسے الفاظ جن کا جڑنت املا صرف ادبی متون میں نہیں بلکہ انتظامی و عدالتی دستاویزات وغیرہ میں بھی عام نظر آتا رہا ہے اُنھیں املا کی عصری آئینیت کے اِس عمل سے نہیں گزارا گیا۔ اِس قسم کے الفاظ میں بیرونجات (بیرون جات)، صوبجات (صوبہ جات)، عہدجات (عہدہ جات)، وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ دراصل اُس دور میں اردو استعمال کرنے والوں میں دم تھا اور وہ نہ صرف نئے لفظ بنا لیا کرتے تھے بلکہ اُن کی تصریفی صورتیں بھی پورے وقار اور بے خوفی سے گھڑ لیا کرتے تھے، اور یہ الفاظ آج تک ہمارے ہاں اپنی جگہ برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ متن میں ایسی کئی مثالیں ہیں جیسے چٹھیات، ڈگریات، امورات، انتقالات، نیز نقشجات، فیصلجات، نالشات، رواجات، وغیرہ۔ الفاظ منفصل ہی نہیں کیے گئے بلکہ بعض الفاظ کو جو آج کی روشِ املا میں جوڑ کر لکھے جاتے ہیں اور نسخۂ لندن میں منفصل لکھے ہیں، اُنھیں جوڑ کر بھی لکھا گیا ہے۔

صرف ایک مثال لیجیے کہ پینتیس کو پیں تیس لکھا ہے، جسے آج کی چلن دار صورت میں لکھا گیا ہے۔ متن میں فارسی عبارات و اشعار کو ایرانی صورتِ املا کے بجائے برِ عظیم کے مروّجہ املا میں لکھا گیا ہے کیونکہ اِس کتاب کا قاری ایرانی نہیں بلکہ پاکستانی و ہندوستانی ہے۔ یہی ترتیب عربی کے دخیل الفاظ کے لیے بھی اختیار کی گئی ہے۔ ھ/ہ کا استعمال آج کے مروّج املا کے مطابق کیا گیا ہے جیسے ھندوستان کی جگہ ہندوستان، رکہنا کی جگہ رکھنا، تھائی کی جگہ تہائی، وغیرہ۔ یہ بہت لمبی فہرست ہے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ سرسید ہندی الفاظ کے املا میں اصل تلفظ سے قریب رہتے ہیں اور یہہ،

کچھ، ساتھ، بوجھ، کھ، سکھ، مونھ، وغیرہ دوہری ہائیہ آواز سے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہ اُس دور کا چلن تھا جسے ہند فاربی رسم الخط کے آج کے املائی چلن کے مطابق لکھا گیا ہے: یہ، کچھ، ساتھ، بوجھ، منہ، وغیرہ۔ یاد رہے کہ ناگری لپی میں اِن الفاظ کو دوہری ہائیہ آواز سے لکھا جاتا ہے۔ اِسی طرح تنوین والے الفاظ میں صرف تائے مربوطہ رکھنا یا الف بڑھا کر تنوین لگانے کے معاملے میں سر سید کی پیروی کی گئی ہے۔ متن سے متبادر ہوتا ہے کہ سر سید ایسے الفاظ میں الف بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں، مثلاً وہ دفعتاً لکھتے ہیں بجائے دفعۃً۔ عربی کے دخیل الفاظ کے بارے میں یہ رویہ لسانی رواداری ہے اور انشا کے اُس لسانی اصول کی پیروی کہ جو لفظ اردو میں آگیا ہے وہ اردو کا ہو گیا ہے۔ املا کے ضمن میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ سر سید اپنے دور کے رواج نیز اِس متن کے سرکار دربار میں پیش کرنے کے نقطۂ نظر سے اِس میں حروف کی اصلی صورت آویزاں کرتے ہیں اور مثلاً ہائے مختفی واصلی کو امالہ نہیں دیتے اور ٹکڑہ، ٹوٹکہ، زمانہ، وغیرہ لکھتے ہیں۔ یہ سر سید کا اسلوب اور اُن کے زمانے کا دستور ہے اِس لیے اِسی کی پیروی کی گئی ہے۔ راقم کے نزدیک مصنف کے منشے کو مقدم رکھنا تدوینِ متن کی بنیادی اخلاقیات ہے۔

ایک نکتہ املا سے ہٹ کر رسم الخط کا بھی ذکر ہو جائے جو یہاں ضروری ہے۔ پنجابی و اردو کی مخصوص دیسی اصوات یعنی معکوس اور منفوس آوازوں کے تحریری برتاؤ میں بے ترتیبی بہت دیر تک چلی ہے تاہم معکوسیت (Retroflexion) کے لیے طوئے کی علامت، جو یقیناً رسم الخط کے ارتقا کا ایک بڑا سنگِ میل ہے، ۱۷۶۹ء میں کتابت شدہ دیوانِ مرزا محمد رفیع سودا سے باضابطہ استعمال ہوتی آرہی ہے، لیکن نسخۂ لندن کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ ابھی اِس کا چلن عام نہ ہوا تھا اور اِس میں ٹ اور ڑ پر طوئے کی جگہ بالترتیب چار اور دو نقطے اور ڈ پر طوئے کی جگہ افقی لکیر لگی ملتی ہے۔ دراصل یہ وہ دور تھا کہ ٹائپ آجانے کی وجہ سے رسم الخط اور املا میں تیزی سے اِصلاحات ہو رہی تھیں اور کاما اور فل سٹاپ وغیرہ کی علامات تو ایک طرف رہیں، اردو میں پیرا گراف کا کسی کو نام بھی معلوم نہ تھا۔ چنانچہ اُس دور کے متون کی طرح اِس متن میں بھی پیرا گراف کی علامت شش کونیہ ستارہ (✶) ملتی ہے (یونیکوڈ نمبر U+2736)۔ اِسی طرح بغلی کالم میں چلتی ذیلی سرخیوں کے متن کے اندر لگنے کی جگہ پر نشانِ خنجرہ (†) لگا ہوا ہے۔ (انگریزی میں اِس علامت کا نام Dagger اور اِس کا یونیکوڈ نمبر U+۲۰۲۰ ہے)۔ چنانچہ صحتِ متن اور سہولتِ قرات کے لیے نہ صرف رموزِ اوقاف (Punctuation Marks) لگائے گئے ہیں بلکہ پیرا گرافنگ بھی کی گئی ہے۔ اب ایک نظر متن میں کی املائی اغلاط پر۔ ٹائپ میں ی اور ے کی اغلاط بھی کافی ہیں جنھیں درست کر دیا گیا ہے۔ یائے حطی یعنی یائے مثنّاتِ تحتانی (ی) اور یائے بسیط یا کشیدہ (ے) میں فرق اُس دور کی کتابت میں تو بالکل نہ ہوتا تھا گو ڈاکٹر گلکرسٹ وغیرہ کی محنت سے ٹائپ میں کچھ کچھ نظر آنے لگا تھا؛ اسبابِ بغاوتِ ہند کا نسخۂ لندن اِس معاملے میں بین بین ہے اور زیادہ رجحان اُس روش پر ہے جو اُس دور کا چلن تھا۔ اِسی طرح جن الفاظ کے املا میں علمی غلطی ہے اُسے درست کیا گیا ہے مثلاً مکتب کی جمع مکاتب (متن میں مکاتیب ہے)، دفع (متن میں دفعہ)، جیل خانہ (متن میں جہل خانہ)، وغیرہ۔ یہ بھی ایک لمبی فہرست ہے۔

مفصلائٹ پریس کے کمپوزیٹر سے حماقت ہو جانا اور سر سید کی نگاہ سے اِس کا چوک جانا دونوں عین تقاضہائے بشریت ہیں۔ متن میں ایک فاش غلطی ایسی ہے جس پر حالی سے لے کر آج تک کسی بھی مدوّنِ متن یا محقق کی نگاہ نہیں پڑی۔ راقم کی مراد اُس مقام سے ہے جہاں عالمگیری دور میں جزیہ لاگو کر دینے کی وجہ سے ہندو مسلم گرمجوشی تعلق ٹوٹ جانے کا سنہ ۱۷۷۹ء میں بتایا گیا ہے حالانکہ یہ سنہ ۱۶۷۹ء کی بات ہے۔ حد یہ ہے کہ نسخۂ گراہم (جو نسخۂ صفوان میں Appendix-J ہے) میں بھی یہ غلطی موجود ہے، یعنی اُس انگریزی ترجمے میں جو سر سید نے خود کرایا تھا۔ یہ غلطی کمپوزیٹر کی نہیں بلکہ سر سید کی اپنی ہے حالانکہ وہ تاریخ کے دھاکڑ جانکار تھے اور امیر تیمور صاحبقران سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک ۴۳ بادشاہوں کی مختصر فارسی تاریخ جامِ جم (۱۸۴۰ء) کے مصنف۔ اگر اِس انگریزی ترجمے میں یہ غلطی نہ ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ سر سید نے درست لکھا ہو گا اور یہ غلطی

کمپوزیٹر کی ہے۔ اِسی کینڈے کی اغلاط تراجم میں بھی موجود ہیں۔ صرف ایک مثال لیجیے کہ نسخۂ گراہم میں Resumption of Mafis والی ذیلی سرخی کے اندر Regulation 6 of 1819 لکھا ہے جب کہ نسخۂ لندن میں اِسے ''قانون ۲ سنہ ۱۸۱۹ء'' لکھا ہے، جو کہ درست ہے۔ یہاں ۲ اور ۶ کا شناختی حصہ دائیں اور بائیں ہونے کے فرق کو گراہم اور کالوِن نے درست نہ سمجھا اور ۲ کی جگہ ۶ لکھ دیا، جو رومن گنتی میں لکھا گیا تو ۶ واضح ہو گیا۔ یہ غلطی بھی اب سے پہلے کسی مدوّنِ متن نے ذکر نہیں کی۔ اِس نسخے میں کئی اغلاط اور بھی ہیں۔ یوں یہ صورتِ حال واضح ہو جاتی ہے کہ نسخۂ حالی کو بطورِ متنِ اساسی لینے اور اِس کی بنیاد پر قیاسی اصلاحات کرتے کرتے آج بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہر متن، خواہ اردو ہو خواہ انگریزی ترجمہ، اِس قسم کی علمی اور معلوماتی دونوں طرح کی اغلاط کو چینی سرگوشیوں (Chinese Whispers) کے انداز میں پہلے کی نسبت بڑھاتا چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ کوشش کر کے ایسے تمام حوالوں کا اصل مآخذ سے تقابل کرنے کے بعد نسخۂ صفوان میں درست لکھا گیا ہے۔ تاہم ڈاکٹر حفیظ ملک کا کام بہر حال اپنی جگہ پر قائم ہے کیونکہ اُنھوں نے بہت سی غلطیاں پکڑی ہیں۔

ایک اور غلطی بھی بطورِ مثال پیش ہے جو متن میں نہیں بلکہ متن کی نادرست تفہیم کے لغت میں اندراج کی ہے۔ سر سید نے ایک فعلِ مرکب لکھا ہے: ''مفسدے پورے کرے''۔ اِس کا معنی واضح ہے: باغیانہ عزائم پورے کرے، فساد مچا کر مقاصد حاصل کرے۔ اردو لغت بورڈ کی اردو لغت (تاریخی اصول پر) کی جلد ۱۸ صفحہ ۱۸۴ پر اس کا اندراج ہے: ''مفسدہ پورا کرنا'' اور اِس کی لغوی حیثیت: محاورہ (شاذ)، اور اس کا معنی لکھا ہے: ''شورش ختم کرنا، ہنگامہ فرو کرنا''، اور سند بھی صرف اِسی ایک استعمال کی دی گئی ہے۔ ادب سے عرض ہے کہ یہ معنی بھی غلط ہے اور اِس کی لغوی حیثیت کی تشخیص بھی۔ مفسدہ اگر شورش کے معنی میں ہے تو یہ مجازی معنی نہیں ہے لہٰذا یہ محاورہ نہیں ہے؛ اور اگر یہ محاورہ ہو تو اِس کے استعمال کی کوئی سند کسی لغت میں مل جانی چاہیے، جو کہ نہیں ملی؛ اور اگر یہ نئی گھڑنت کا محاورہ ہے تب بھی اِسے محاورے کی بنیادی شرط یعنی مجازی معنی پوری کرنی چاہیے، جو کہ نہیں ہو رہی۔ واضح ہوا کہ ''مفسدے پورے کرنا'' اپنی بُنت کے اعتبار سے محاورہ (Idiom) نہیں بلکہ فعلِ مرکب (Infinitive Compound) ہے اور اِسے صرف اِسی حیثیت میں درج ہونا چاہیے۔ (فعلِ مرکب کی تعریف اِس لغت میں یوں لکھی ہے: وہ فعل جو کسی دوسرے فعل، اسم یا صفت کے ساتھ مل کر ایک مجموعی مفہوم پر دلالت کرے، جیسے کام کرنا، روشن کرنا وغیرہ۔) چنانچہ سند پڑھ کر کارڈ بنانے والے کارڈ نویس نے رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند سے جملے کا مطلب سمجھنے میں خطا کھائی ہے اور اِسی وجہ سے اِس اندراج کی رجسٹری حیثیت (Labelling) بھی فعلِ مرکب کے بجائے محاورہ لکھ دی ہے۔ سر سید نے رسالے کا جو انگریزی ترجمہ خود کرایا اُس میں اِس فعلِ مرکب کا معنی ''had no choice left but to continue in their career of rebellion'' لکھا ہے، اور یہ سو فیصد الٹ ہے اُس مفہوم سے جو لغت میں دیے گئے اندراج میں تحریر ہے۔ اردو لغت بورڈ کو اگلے ایڈیشن میں اِس اندراج میں نسخۂ گراہم والی عبارت کے مطابق درستی کرنی چاہیے۔

واضح رہے کہ ایسی اغلاط اور بھی ہیں۔ لیکن اِس سے یہ مطلب بالکل نہ لیا جائے کہ اردو لغت بورڈ کی اردو لغت (تاریخی اصول پر) میں اسبابِ بغاوتِ ہند کی اسناد نقل کرنے میں کاوش نہیں کی گئی۔ صرف ایک مثال جلد ۱۹ صفحہ ۲۰۴ پر لغوی اندراج ''میگھزین'' کی لیجیے، جس میں اسبابِ بغاوتِ ہند کی سند نقل کرنے کے بعد بتایا گیا ہے کہ یہ میگزین کا قدیم املا ہے۔ چنانچہ سر سید کے استعمال کردہ اِس املا کو ایک سر لفظ (Headword) بنا کر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ نسخۂ لندن میں اِسے ملاحظہ کر لیا جائے۔ راقم نے نسخۂ لندن یہاں پیش کر کے سر سید کے ہاں لفظوں کی حقیقی املائی شخصیت کو محفوظ کرنے کی کاوش کی ہے۔ متن میں جہاں کسی لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے اُسے بطریقِ مروّج چوکور بریکٹوں [] میں لکھا گیا ہے اور بعض جگہ ضروری

حواشی دیے گئے ہیں۔ نیز حواشی و تعلیقات کا ایک الگ حصہ بھی شامل کیا گیا ہے۔اسبابِ بغاوتِ ہند کی موجودہ اشاعت یعنی نسخۂ صفوان کے املا میں ادارۂ فروغِ قومی زبان (پرانا نام: مقتدرۂ قومی زبان) کی سفارشاتِ املا-۲۰۰۱ (۱۵/جولائی ۲۰۰۶ء) اور راقم کی اردو کے نئے، اہم اور بنیادی الفاظ (۲۰۱۱ء) کی پابندی کی گئی ہے۔املائے اردو کے اِن مآخذ کی خاص بات یہ ہے کہ اِن میں املا کی آئینیت کے ساتھ ساتھ رواجِ عام کی بھی رعایت کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ ایڈیشن بڑی حد تک رواجِ عام کی پیروی کرتے ہوئے مکمل کیا جارہا ہے۔

راقم کی رائے میں ڈیڑھ صدی سے بھی پرانی تحریر کو آج سائبر دور میں اُس روش میں لکھا جانا چاہیے جس سے سائبریت مزاج قارئین مانوس ہیں۔ حواشی و تعلیقات لکھنا اِس لیے ضروری معلوم ہوا کہ برِ عظیم کے سیاسی جغرافیے میں انقلابی تبدیلیوں کے باعث ڈیڑھ صدی سے زیادہ پرانی اِس تحریر میں موجود کئی اماکن و علائم کے مصداقات آج تحریروں اور عوامی حافظے سے محو ہو چکے ہیں اور خصوصًا پاکستانی تو اُن کے بارے میں بیشتر کچھ بھی نہیں جانتے۔ مثلاً گورنر جنرل، وائسرائے یا انڈیا آفس ریکارڈز کے بارے میں تو انٹرنیٹ یا گوگل وغیرہ سے پھر بھی کچھ پتہ چل جاتا ہے، تلنگہ، کالا پادری، چپاتی بٹنا، اور کمپنی نوٹ کے اجرا وغیرہ وغیرہ کو آج شاید ہی کوئی جانتا ہو۔اِسی طرح برٹش انڈیا پیپر کرنسی ایکٹ ۱۸۶۱ء میں پاس ہوا اور وکٹوریہ پورٹریٹ سیریز کے نوٹ اِس کے بعد جاری ہوئے جب کہ سر سید اپنے رسالے میں تین سال پہلے ہی اِس انتظامی فیصلے کی بابت لکھ رہے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اُنھوں نے مدراس، بمبئی اور بنگال پریزیڈنسیوں میں چلنے والے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سکوں کو نوٹ (پرومیسری نوٹ: Promissory Note) کہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ کچھ ایسی ہی علمی و معلوماتی ضروریات کے پیشِ نظر یہ حصہ شامل کیا گیا ہے اور اِس میں ضمنًا اُن تمام لوگوں کے نام اور مختصر تعارف بھی فراہم ہو گیا ہے جن کا ذکر سر سید نے اپنے رسالے میں کیا ہے۔

کتابیات

امین زبیری، **تذکرۂ سر سید**، (لاہور: پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ، س ن)

حالی، خواجہ الطاف حسین، **حیاتِ جاوید**، (لاہور: اردو اکیڈمی پاکستان، ۲۰۲۰ء)

سید احمد خاں، سر، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۱ء)

عابد صدیق، **تحسینیات** (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکادمی، ۲۰۱۲ء)

فائزہ بٹ، ڈاکٹر، **اردو میں لسانی تحقیق** (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکادمی، ۲۰۱۷ء)

Kaye, John William: **A History of the Sepoy War in India; W. H. Allen & Co, Waterloo Place**(London:۱۸۷۰)